

حال

گدے پانیوں  
کا سنگم

نمرہ احمد

نمرہ احمد کا نیا ناول "حال"

پاکستانی ڈاٹ کام

# حَامِم (نمرہ احمد)

”باب اول“

”گد لے پانیوں کا سکنم؟“

اس نے خواب میں دیکھا کہ

وہ گد لی سی جگہ ہے.....

دودریاں کا سکنم.....

بارش تڑا تڑا ایس رہی ہے.....

کچھ میں کھلے آسمان تلے دلوگ کھڑے ہیں.....

ایک سہرے بالوں والی لڑکی ہے.....

بارش نے اس کو بھگو دیا ہے.....

اس کے بال گیلے ہو کر گالوں سے چپک گئے ہیں

اور وہ گردن اٹھائے اور پو دیکھ دی ہے.....

آسمانوں کو..... آسمانوں کے پار جہانوں کو.....

سامنے ایک آدمی کھڑا ہے.....

کچھ سے اس کے پیور لوت پت ہیں.....

وہ دراز قد اور کسر تی بازوں والا ہے.....

اس کے گلے بال ماتھے پکھرے ہیں.....

وہ اپنے گریبان پہ ہاتھ ڈالتا ہے.....

اور تائی نوج کے اتارتا ہے.....

پھر وہ آستینیں موڑتا ہے..... پیچھے..... اور پیچھے.....

اڑ کی ابھی تک اوپر دیکھ رہی ہے.....  
آدمی جھلتا ہے..... کچھڑ سے مٹھی بھرتا ہے.....

سیدھا کھڑا ہوتا ہے.....

مٹھی اڑ کی کی طرف بڑھاتا ہے.....

”میرے ساتھ رہو.... ہم دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے۔“

وہ بارش اور طوفان میں بلند آواز سے کہتا ہے.....

وہ چونکے اسے دیکھتی ہے... کچھڑا پر نگاہ اٹھاتی ہے.....

دور آسمان پر ایک پرندہ اڑتا ہوا آر رہا ہے.....

اپنے پر پھیلانے اس آدمی کے سر کے اوپر فضا میں آر کتا ہے.....

چکر کاٹتا ہے.... کاٹتا ہے.... کاٹتا ہے.....

اڑ کی انگلی اٹھا کر اشارہ کرتی ہے.... الفاظ اس کے لبوں سے نہیں نکل پاتے.... مگر وہ ہونٹ ہلا کر کہتی.... بے آواز.... وہ دیکھو....

آدمی مٹھی بڑھائے ہنوز کھڑا رہتا ہے۔ اس کی مٹھی میں کچھڑ ہے.... اور کچھڑ میں دیکھ ایک سونے کی چابی ہے....

میرے ساتھ رہو... میرے ساتھ رہو... وہ ہنوز کھڑا رہا ہے۔

پرندہ ان کے سر پر چکر کاٹ دیا ہے.... سنہرے اور سرخ رنگ کا پرندہ.... عقاب جیسا.... نیلے ہیروں جیسی آنکھوں والا پرندہ....

ایک جھٹکے سے حالم کی آنکھ کھلی.....

☆☆=====☆☆

کولاپور، جزیروں کے ملک ملائیشیا کا سب سے مشہور شہر ہے۔ مختلف تہذیبوں اور ادیان کا مرکز.... یہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ سمندر اور اونچے پہاڑ.... سبزہ اور کھلے باغات.... وہ جنت کے تصور جیسا خوبصورت شہر تھا اور اس صبح وہ معمول کے مطابق آوازوں، شور اور بے فکر قہقہوں سے گونج رہا تھا.... لوگ مصروفیت سے اپنے روزمرہ کے کام نپاڑ رہے تھے.... سڑکوں پر... دفتروں میں... گھروں میں....

کے ایل (کولاپور کو عرف عام میں کے ایل کہا جاتا تھا) کے مصروف کار و باری مرکز کے علاقے میں ایک اونچی عمارت بے نیازی سے کھڑی دکھائی دیتی تھی۔ اس کے بارہویں فلور پر آٹو آفس کی بننے تھے اور وکر ز مصروف دکھائی دیتے تھے۔ ٹائپنگ کی آوازیں، فون کی گھنٹیاں.... یوں دکھائی دیتا تھا کہ اس آفس میں ہر دن کی طرح کام جاری و ساری تھے.....

ایسے میں ایک نوجوان باتھ میں فائل پکڑتے تیز تیز چلتا جا رہا تھا۔ چینی نقوش کی صورت کا حامل وہ درمیانے قد کا تھا، اور چہرے پر دبادبا

جوش تھا۔ ایک افس کے دروازے کے سامنے وہ رکا، خوشی کو قابو کرتے ہوئے مسکراہٹ دبائی اور دروازہ کھولا۔ اندر افس نیبل کے پیچھے ایک تھکا ماندہ سا ادھر عمر شخص بیٹھا تھا۔ تائی دھیلی کیے، بگڑے تاثرات لئے، اس نے آنکھیں اٹھا کے اکتاہٹ سے اندر داخل ہوتے نوجوان کو دیکھا۔

”مولیا میں اس وقت کوئی بات نہیں سننا چاہتا۔ میں ساری رات سو نہیں پایا۔ ابھی مجھے ڈسٹریب نہ کرو۔“

”انور صاحب.... اچھی خبر ہے۔“ مولیا دمکتے چہرے کے ساتھ کری کھیچ کر سامنے بیٹھا تو انور صاحب نے ہاتھ جھلایا۔

”تمہیں لگتا ہے اس وقت مجھے کوئی خبر خوش کر سکتی ہے؟ میری لاپرواہی سے بس کالیپ ٹاپ چوری ہو گیا ہے اور تمہیں اپنے کاموں کی پڑی ہے؟....“ وہ ناراض چینی آنکھیں مولیا پہ جما کے زور سے بولے۔ ”ابھی تک تو بس کو معلوم ہی نہیں ہے کہ ان کالیپ ٹاپ جس میں ہمارے بڑنس کے خفیہ دستاویزات ہیں، اور جو انہوں نے مجھے وارس سے پاک کرنے کے لیے دیا تھا، میں گم کر چکا ہوں۔ جاؤ خدا کے لئے....“

”سر تھمل سے میری بات نہیں۔ مولیا نے لیپ ٹاپ کو ٹریس کر لیا ہے۔“ وہ چک کر بولا۔ (مالیشیا کے لوگ عموماً ”میں نے یہ کر لیا ہے“ کی گلہ اپنام لے کر کہتے ہیں کہ ”مولیا نے یہ کر لیا ہے۔“)

انور صاحب کا جھکا اتر اچھرہ تیزی سے سیدھا ہوا۔ آنکھیں پھیلیں۔ بہت سے رنگ چند لمحوں میں بد لے۔

”کیا مطلب؟ کیسے؟“ وہ تیزی سے آگے ہوئے۔

”حالم!“ مولیا نے جوش اور فخر سے وہ فائل سامنے رکھی۔ انور صاحب نے چونک کے اسے دیکھا، پھر سیاہ فائل کو۔

”تم نے حالم کو ہاڑ کیا؟“ ان کی آواز سرگوشی میں بدل گئی۔ دلچسپ سرگوشی میں۔ آنکھوں میں چمک ابھری۔

”جی۔ مولیا نے رات کو ہی اسے کال کر دی تھی۔ اور صبح تک اس نے سارا کھون لگالیا ہے۔“

”اتنی جلدی؟“ ان کو خوبگواری بے یقینی ہوئی۔

”وہ حالم ہے سر۔ حالم یعنی خواب دیکھنے والا مگر خواب وہ ہمارے پورے کرتا ہے۔ ہم جیسے لوگ پولیس کے پاس جانہیں سکتے کیونکہ پولیس لیپ ٹاپ کو evidence میں شامل کر کے اسے دیکھے گی ضرور اور ہمارے کار پوریٹ سیکرٹس کمپریومنٹ ہو جائیں گے اور بس کو بھی علم ہو جائے گا۔ اس لئے ہمارے پاس حالم جیسے پرائیویٹ Investigator Scam سے اچھا کوئی آپشن نہیں تھا۔“

”تم نے بہت اچھا کیا۔ حیرت ہے مجھے اس کا خیال کیوں نہیں آیا؟ حالانکہ کتنے کام کروا چکے ہیں ہم پچھلے چند ماہ میں اس سے۔“ وہ تکان سے پہلی دفعہ مسکرائے۔ پھر خیال آنے پر پوچھا۔ ”کیا ہے وہ اب؟ ویسا ہی تھریلا، مغرو اور موڑی؟“

”ہے تو وہ ویسا ہی۔ کتنی متنیں کرنی پڑتی ہیں اس کی، پھر کام کرنے کی حامی بھرتا ہے وہ۔ لیکن ایک دفعہ ذمہ داری اٹھا لے تو کام کر کے دم لیتا ہے۔ ایسے ہی تو وہ کے ایل کی بلیک مارکیٹ کا سب سے ذہین اور شاطر انویسٹی گیئر نہیں ہے سر۔ اس کی ذہانت.....“

”اچھا اچھا۔ اب کام کی طرف آؤ۔“ انہوں نے بے زاری سے ٹوکا تو مولیا کی زبان کو قفل لگا، پھر جمل سامسکرا کے بولا۔

”اچھا یہ دیکھیں۔ اس نے لیپ ٹاپ کو ٹریس کر لیا ہے۔ اس وقت ہمارا لیپ ٹاپ اس ایڈریس پر موجود ہے۔“ مولیا نے فائل کھول کے اس پر ایک جگہ دستک دی۔

انور صاحب آگے کو جھکے یونیک ٹاپ پر جمائی اور غور سے پڑھا۔ ”یو کسی کے گھر کا پتہ لگ رہا ہے۔ مگر یہ کون..... ایک منٹ۔“ انہوں نے چونک کر آنکھیں اٹھائیں۔ رنگ فق ہوا تھا۔

”یو تنگو کامل محمد کا گھر ہے۔“ انہوں نے چونک کے سرا اٹھایا تو منہ آدھا کھل چکا تھا اور پیشانی پر پسینہ پھوٹنے لگا تھا۔ ”تنگو کامل نے ہمارا لیپ ٹاپ چڑایا؟ اوہ خدا..... مجھے اٹھائے۔ مجھے اٹھائے....“

”صبر کریں، اُسرے۔“

”صبر؟ میں باس کو کیا منہ دکھاؤں گا؟“ وہ چیخنے تھے۔ ”میری کار سے ان کا لیپ ٹاپ چوری ہوتا ہے اور چوری کرنے والا کون ہے؟ ہمارا سب سے بڑا حریف۔ یا اللہ! وہ اب تک کیا کچھ کر چکا ہو گا ہمارے ڈاکو منٹس کے ساتھ۔“ انہوں نے پیشانی پر ہاتھ رکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔ مولیا نے جلدی سے پانی کا گلاس بھر کے ان کے سامنے کیا۔ انور صاحب نے جھٹ گلاس اٹھایا اور غنا غاث پی گئے۔ پھر گھری سانس لے کر خود کو نارمل کرنے لگے۔

”ابھی تک تو میں نے سر کو یہ کہہ رکھا ہے کہ لیپ ٹاپ ٹھیک کروار ہا ہوں۔ چند گھنٹے سے زیادہ میں ان کو نال نہیں سکتا۔ اب بتاؤ۔“ وہ خود پر قابو پاتے ہوئے فکر مندی سے پوچھنے لگے۔ ”وہ کتنی جلدی تنگو کامل کے گھر سے لیپ ٹاپ نکال کر لاسکتا ہے؟“

”کون؟“

”میرا دادا جو قبر میں بیٹھا تھا ہیں خط لکھ رہا ہے، یو ایڈیٹ۔“ انہوں نے زور سے میز پر ہاتھ مارا۔ پانی کا گلاس تو کانپا ہی، مولیا خود بھی اچھل ہی پڑا۔

”مم..... میں..... وہ..... حالم کا پوچھر رہے ہیں آپ؟ مگر سروہ انویسٹی گیٹر ہے۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کر سکے گا اور.....“ مگر انور صاحب کے تاثرات اور لال انگارہ آنکھیں دیکھ کر وہ گز بڑا کے اٹھا۔ ”میں..... میں کچھ کرتا ہوں۔ اس کی منٹ کرتا ہوں۔“

انور صاحب نے خاموشی سے انگلی سے اسے قریب بلایا۔ وہ ڈرتے ڈرتے ان کی طرف جھکا۔

”اگر....“ وہ انتہا زور سے گر جے کہ مولیا بے اختیار پیچھے ہٹا۔ ”مجھے آج رات تک لیپ ٹاپ نہ ملا تو تمہاری نوکری گئی۔ جتنا پیسا خرچ کرنا پڑے، کرو۔ میں ساری رقم ادا کروں گا لیکن مجھے وہ واپس چاہیے....“

”راجربا۔“ اس نے اثبات میں زور زور سے گردن ہلائی، جلدی جلدی فائل سمیٹی اور باہر کو بھاگا۔

اپنے آفس میں آکر اس نے دروازہ بند کیا، اور کرسی پر آکے مذہل سا گرا۔ مگر وقت مزید ضائع نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایک نظر اپنی بیوی

بچوں کی تصاویر کو دیکھا جو میز پر کھے فریز میں لگی تھیں اور پھر فون پر نمبر ملانے لگا۔ کانگ حالم۔ جلد ہی اس نے فون اٹھا لیا۔

”میں سوچ رہا تھا کہ ابھی تک میری صحیح خوشنگواری کیوں گزر رہی ہے۔ کوئی نجوسٹ کیوں نہیں کھل رہی اس میں؟ فون کرنے کا شکریہ مولیا۔ اب بتاؤ، کیا کام ہے؟“ خوشنگواری مردانہ آواز کانوں سے لکھرائی تو مولیا کی صحیح میں سارے زمانے کی نجوسٹ کھل گئی۔ چہرے کے زاویے بگڑے مگر وہ ضبط کر کے مسکرا یا۔

”تمہارا شکر پیدا کرنے کے لئے فون کیا تھا۔“

”ہو ہی نہیں سکتا۔ کام بتاؤ۔“ وہ اب کے رکھائی سے بولا تھا۔ ”مگر یاد رکھنا، اگلے چار دن میں مصروف ہوں۔ جھرات کے بعد کرسکوں گا۔ اب بتاؤ، پھر سے کیا کھو دیا ہے تم نے؟“

”وہی لیپ ٹاپ....“ وہ بے چارگی سے بولا۔ ”وہ کیسے نکلواؤں؟“

”کیا مطلب؟ ابھی تک نکلوایا نہیں ہے وہ؟ کمال آدمی ہو یا تم۔ دو گھنٹے پہلے رپورٹ دی تھی تمہیں۔ اپنے چار پانچ سیکورٹی کے بندے لے کر جاتے ان کے گھر میں گھستے اور نکال کر یہ جاؤ ہے جا۔“

”حالم.... حالم.... خدا کے لئے سمجھو۔“ مولیا اپنے بال نوچنا چاہتا تھا۔ ”ہم کار پوریٹ سیکٹر کے لوگ ہیں۔ غنڈے بدمعاش نہیں ہیں۔ جتنے اچھے ہمارے سیکورٹی آفیسرز ہیں، اس سے کہیں اچھے لوگ تنگوں کامل کے پاس ہوں گے۔ وہ تنگوں کامل ہے۔ ایک امیر اور طاقتور آدمی۔ نہ ہوتا تب بھی ہم یہ نہیں کر سکتے کیوں کہ لیپ ٹاپ انور صاحب کی لاپ پر وہی سے کھو یا ہے۔ ہم باس کو بتائے بغیر اس کو واپس حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ کل صحیح سے پہلے۔“

”دیکھو اگر تو تمہیں یہ غلط فہمی ہے کہ میں تنگوں کامل کے گھر جا کر تمہارا لیپ ٹاپ چراوں گا، تو میں یہ نہیں کرنے لگا، سوری۔ حالم چور نہیں ہے۔ صرف انویسٹی گیٹر ہے۔“ وہ بے رخی سے بولا تھا۔

”پھر میں کیا کروں؟ میری نوکری چلی جائے گی یا۔“ مولیا نے بے چارگی سے فوٹوفریز کو دیکھا۔ آفس بلاسٹر سے چھن کر آتی دھوپ میں وہ مزید چمکنے لگی تھیں۔ تیز دھوپ۔ بے سائبان۔ اس کا دل بیٹھنے لگا۔

”اچھا پھر کسی چور کو ہار کر دو وہ رات کو چڑھائیے گا۔“ حالم نے گویا ناک سے مکھی اڑائی۔

”میں کار و باری آدمی ہوں۔ کہاں جانتا ہوں گا ان چور ڈاکوؤں کو؟ تم کچھ کرو پلیز۔ میں منہ مانگی رقم ادا کروں گا۔“ دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

”پہلے سے دگنی رقم دو گے؟“ مولیا جھٹکے سے سیدھا ہوا۔ چہرہ کھل اٹھا۔

”ہاں بالکل۔“

”مگر میں تین گناہوں گا۔“

مولیا نے فون کو کان سے ہٹا کر گھورا پھر ضبط کرتے ہوئے دوبارہ کان سے لگایا۔ ”جو مانگو گے دوں گا۔“ ”پھر ایک کام کرو۔“ حالم کا لہجہ ب کے نرم پر اجیسے اسے مولیا پر ترس آگیا ہو۔ ”مجھے دوڑھائی گھنٹے دو۔ میں تنگوں کامل کے تمام ملازموں کی پروفارکنلز تمہیں دے دیتا ہوں۔ ان کی صلاحیتیں اور ان کی کمزوریاں۔ تم جس ملازم کو بہتر سمجھو، اس کے پاس جا کر اس کو ڈر اور ڈھمکا کے، یا پیسے کا لالج دے کر اس کو خرید لو۔ گھر کا بھیدی آسانی سے لیپٹاپ نکال کر لادے گا۔“ مولیا کا منہ کھل گیا۔

”یہ سب میں کروں گا؟ مطلب.... کیا تم خود ان ملازموں سے بات نہیں کر سکتے؟“

”یعنی واث مولیا.... تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہاری مدد کی جائے۔ اب فون نہ کرنا۔“ کھٹ سے فون بند ہو گیا۔ مولیا کا سر گھومنے لگا۔ اس نے دیوانہ وار دوبارہ نمبر ملایا۔

”پلیز... پلیز حالم... فون اٹھا لو...“ وہ با آوز بلند دعا کر رہا تھا۔

(اگر بس کو معلوم ہو گیا... گھن کے ساتھ وہ بھی پس جائے گا۔ بلکہ وہ تو سڑک پر آجائے گا۔) مگر حالم فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ میز پر رکھے فوٹوفریز اب دھوپ کی حدت سے چمکنے لگے تھے۔ جیسے اس کے یوں بچے سایے سے نکل کر نگئے سر سو رج تلتے آکھڑے ہوئے ہوں۔ اس کا تو گھر بھی کمپنی کا دیا ہوا تھا۔ اس نے غصے اور بے بی سے پیغام ٹانپ کیا۔

”حالم.... فون اٹھا وور نہ میں خود کشی کرلوں گا۔“

”۲۴ فس کے دروازے کالاکھوں کے خود کشی کرنا۔ ورنلاش سے بدبو آنے میں چند دن لگ جاتے ہیں۔“

”میں تمہاری منت کرتا ہوں۔ میں اس کے ملازموں سے خوب بات کرلوں گا۔ صرف مجھے ان کی پروفائیل کر دو۔“ اس نے جلدی جلدی پیغام لکھا۔

”پہلے مجھ سے معدر ت کرو۔“ فوراً جواب آیا۔

”کیسے؟“

”ایک کاغذ پر لکھو۔ حالم کے ایل کا بہترین اسکام انویسٹی گیئر ہے اور میں آئندہ اس سے اختلاف نہیں کروں گا۔ تمہارے یہ لکھنے تک میں پروفائیل تیار کرلوں گا۔“ مولیا نے فوراً نوٹ پیڈ پر قلم گھیٹا۔

”میں نے یہ لکھ بھی لیا۔“

”اس کو پانچ سو چیپن دفعہ لکھو۔“ وہ غرائے بولا اور فون کٹ گیا۔ مولیا نے گھری سانس لی، آستین سے پیشانی پوچھی اور جلدی جلدی قلم کا گذپہ گھیٹنے لگا۔

”پہنچنے والے اس شخص کی کون سی اناکو تسلیکین ملتی ہے ایسے کاموں سے۔“ وہ غصے سے بڑا بڑا بھی رہا تھا۔

کمرے میں دھوپ پھیلتی جا رہی تھی۔ مگر اس نے اے سی کو تیز نہیں کیا۔ اے خیال ہی نہیں آیا۔ بس سر جھکائے، لکھتا گیا۔ لکھتا گیا۔

- جانے کتنی دفعہ لکھا گیا تھا کہ اس نے سرمیز پر رکھ دیا اور خالی نظروں سے قلم اور پنسلو سے بھرے مگ کو دیکھنے لگا۔ اس کا سر درد کر رہا تھا جیسے دماغ پھٹنے کو ہو۔ انور صاحب کے ساتھ اس کی نوکری اور گھر دونوں جائیں گے.....

فون کی گھنٹی چنگھاڑی تو مولیا اچھل پڑا۔ تیزی سے فون اٹھایا۔ حالم کی ای میل آئی تھی۔ اس کے جسم کا ہر عضو آنکھ بن گیا تھا۔

پچھو دیر بعد وہ چندر پر بند کاغذ اپنے سامنے پھیلائے بیٹھا تھا۔ کھلائیپ ٹاپ تر چھا کر کے یوں رکھا ہوا تھا کہ سورج کی کرنوں کا راستہ رک گیا تھا اور فوٹوفریز چھایا تھے تھیں۔ ان کو جیسے سا بان مل گیا تھا۔

”تینگو کامل کا ڈرائیور!“ اس نے ایک کاغذ اٹھا کر چھرے کے سامنے کیا اور آنکھیں چھوٹی کر کے تفصیل پڑھی۔ ”اوہوں۔ جو اتنے سال سے تینگو کامل کی ملازمت کر رہا ہو، بھلے وہ جوئے کا عادی بھی ہو وہ نہیں سبک سکتا۔“ اس نے کاغذ واپس ڈالا اور دوسرا پنٹ آؤٹ اٹھایا۔

”بلکہ،“ بند مٹھی ہونوں پر کھکے چندر لمح تفصیلات پڑھیں۔ بلکہ کاسارا کچا چھا کھوں کر رکھ دیا گیا تھا جیسے۔ ”یہ تو بالکل بھی نہیں۔ اس کا کر مثال بیک گرا اونڈا اس کی کمزوری نہیں، اس کی طاقت ہے۔ کیا سوچ کے حالم نے اس ہٹے کٹے آدمی کی پروفائل بنائے دی ہے؟ یہ تو مجھے چھوک مار کے اڑا دے گا۔“

جم جھری لے کر کاغذ رکھ دیا۔ اب پرمنل اسٹینٹ کی باری تھی۔ اس کی شکل دیکھ کر ہی مولیا کورونا آگیا۔

”یہ تو مجھ سے عمر میں بھی بڑا ہے اور قابلیت میں کہیں آگے ہے۔ امر یکا کا پڑھا ہوا مختنی اور قابل نوجوان۔ اس کے سامنے میں بات بھی نہیں کر پاؤں گا۔“ اس کاغذ کو تو اس نے چھوا بھی نہیں۔ پھر اگلے کو دیکھا تو نگاہ تھر گئی۔ دھیرے سے کاغذ اٹھا کے آنکھوں کے سامنے لایا۔ وہ ان تمام پروفائلز میں پہلی نسوانی پروفائل تھی۔

”تالیہ مراد،“ وہ نام پڑھتے ہوئے بڑا یا۔ صفحے کے کونے میں اس کی تصویر ہوئی تھی۔ (تصویر آج کی لی ہوئی تھی، جیسے کسی گھر کی چھت سے گلی میں چلتی لڑکی کی تصویر اتاری گئی ہو۔ وہ لمبا سامقاومی طرز کافراک پہنے ہوئی تھی، کہنی پڑ کری ٹھنگی تھی جس میں پھول تھے، اور وہ سر جھکائے کندھے کے پرس سے کچھ نکال رہی تھی۔ ماتھے پر سفید خوبصورت سا ہیٹ پہن رکھا تھا، جس سے سیاہ بال نکل کر کندھے پر گر رہے تھے۔ بھکھے سر اور ہیٹ کے باعث چہرہ واضح نہ تھا مگر نگت گوری، نکھری ہوئی لگتی تھی۔) مولیا کی نظریں ٹاپ شدہ الفاظ پر جاری میں جو حالم نے اس کی پروفائلنگ کرتے ہوئے لکھی تھیں۔

”تالیہ مراد۔ اس کا تعلق کشمیر سے ہے۔ تین ماہ سے تینگو کامل کی ملازمہ ہے... زیادہ پڑھی لکھی نہیں ہے، مگر انگریزی اور ملے زبان ٹھیک سے بول سکتی ہے۔ بہت باتوں لڑکی ہے۔ قدرے بے وقوف اور جلد باز۔ آدھا دن تینگو کامل کی ملازمت کرتی ہے اور شام میں ایک ریسٹورانٹ میں ویٹر کے طور پر کام کرتی ہے۔ کشمیر میں اس کا لمبا چوڑا خاندان ہے جس کی کفالت یہی کرتی ہے۔ جو کہاتی ہے وہیں بھیج دیتی ہے۔ خود عام کپڑوں اور جوتوں میں خوش باش گھوم رہی ہوتی ہے۔ تالیہ کو سوپ بنانے، احمدوں کی طرح بہت بولنے، اور ہر چھپکی، کا کروچ کو دیکھ کر چھینیں مار مار کے روئے کے علاوہ کچھ نہیں آتا۔ وہ ایسی لڑکیوں میں سے ہے جن کے پاس اچھی شکل اور دراز قد کے علاوہ

کوئی خصوصیت اور صلاحیت نہیں ہوتی۔ نہ ذہانت، نہ تعلیم۔ اس کے باوجود تنگوں کامل ہو یا سوپ پارلروالے، سب تالیہ سے محبت کرتے ہیں۔ میں یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ ایک کم ذہن، کم علم اور سادہ سی لڑکی پر سب اتنا اعتماد کیوں کرتے ہیں؟ مگر اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ ایماندار، بچ بولنے اور خیال رکھنے والی لڑکی ہے۔ خوش اخلاق اور ہنس مکھ ہے۔ انہی خامیوں کی وجہ سے وہ زندگی میں کبھی ترقی نہیں کر سکی اور نہ کبھی کر سکے گی۔ ”وہ ایک بے رحمانہ تجزیہ تھا۔

مولیا کی پیشانی پر افسوس کی لکیریں ابھریں۔ ”حالم کتابے مرودت اور سفاک ہے۔ یا شاید مادہ پرست۔“ ابھی وہ کوئی اور تبصرہ کرتا لیکن صفحہ کا آخری پیراً گراف پڑھ کے ٹھنک گیا۔

”تالیہ یہاں الیگل ہے۔ وہ نوکری کی تلاش میں آنے والے غیر قانونی پاکستانیوں میں سے ہے۔ اور یہی اس کی وہ کمزوری ہے جس کی بنا پر اس کو ڈرایا وہم کایا جاسکتا ہے۔“

”اوہ تب ہی تنگوں کامل نے اسے ملازمت دی۔ الیگل لڑکی یعنی کم تخلوہ اور مراعات۔ کنجوس تو وہ ہمیشہ سے تھا۔ غیر قانونی تارک وطن...“ مولیا نے چہرہ اٹھایا تو اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ رنگت میں پھر سے سرخیاں گھل گئی تھیں اور فوٹوفریز چھاؤں میں، محفوظ دکھائی دیتے تھے۔

”مجھے اس لڑکی کو ڈھونڈنا ہے۔“ کارکی چابی اٹھاتے ہوئے اس نے تمام کاغذ سیست کر فائل میں رکھے ایک نظر لڑکی کے پتے پر ڈالی اور فائل لئے اٹھا۔

”مجھے ان چند گھنٹوں میں اس لڑکی کے ذریعے باس کا لیپٹاپ واپس حاصل کرنا ہے۔“ وہ ایک عزم سے باہر کو بھاگا تھا۔

☆☆=====☆☆

سوپ پارل میں دوپہر اپنی ساری حدت کے ساتھ جلوہ گر نظر آتی تھی۔ یخنی کی خوبیوں اور اشتہا انگیز دھوئیں سارے میں پھیلے تھے۔ کچن میں ایک ساتھ بہت سی چیزیں پک رہیں تھیں۔

اندر رجھانگوں تو دو یہڑے پر برتن لگا رہے تھے۔ ایک دیہڑ ایک پلیٹر پر جھکی کھڑی اس میں رکھے ملغوبے کو بھاری تھی۔ ایک بوڑھا آدمی اپر ان اور ٹوپی پہنے کھڑا سوپ کے دیگچے میں چیچ بھارا تھا۔ صرف وہ فارغ بیٹھی نظر آتی تھی.....

خالی کاؤنٹر پر چوکڑی کے انداز میں بیٹھی، اس نے اپر ان پہن رکھا تھا، اور بال ٹوپی میں مقید تھے۔ یہ واضح نہ تھا کہ وہ کتنے لمبے تھے مگر چہرہ بیضوی اور سرخ سفید ساتھا۔ سیبیوں جیسے گال جن پر مسکرانے سے ڈپل پڑتا تھا۔ اور بڑی بڑی سبز آنکھیں۔ وہ ایشیائی نقوش والی پیاری سی لڑکی تھی اور اس وقت آنکھیں گھما کے سب کو دیکھتی مسکراتے ہوئے گلنگاۓ جا رہی تھی۔

وھنتاً دوسری دیہڑ نے سر اٹھا کے اکتاہٹ سے اسے دیکھا۔

”کتنا کام پڑا ہے، اگر تم تھوڑا سا کرو گی تو وزن نہیں کم ہو جائے گا تمہارا۔“

تالیہ گناہوک کے ہلاکا سا ہنسی پھر آنکھیں سیدھی ویٹر پر جمائے بولی۔ ”میرے گانے سے سوپ میں ذائقہ آتا ہے۔ آپ لوگوں نے وہ مسووی دیکھی ہے کنگ فوپاڈا؟ نہیں دیکھی نا؟ میں نے بھی نہیں دیکھی۔ لیکن سنائے اس میں ایک موٹا سا پاڈا تھا جو....“

”تم نے اپنی تنخواہ کا کیا کیا تالیہ؟“ بوڑھے شیف نے ایک دم اس کی طرف گھوم کے سختی سے سوال پوچھا تو تالیہ کی زبان رکی، لیکن مسکراہٹ پر قرار رہی۔

”جب معلوم ہے کہ تنخواہ پاکستان بھیجتی ہوں تو پوچھتے کیوں ہو پیارے اور موٹے سے بوڑھے؟“ وہ کہہ کے خود ہی ہنس دی تو باقی سب بھی ہنس پڑے۔ سوائے شیف کے جو خنگی سے اسے گھور رہے تھے۔

”لٹا دیا نا ہر دفعہ کی طرح اپنے خاندان پر سب کچھ؟ اپنے لئے کیوں کچھ نہیں رکھتی؟“ وہ زیج ہوئے۔

”ارے ارے... میرے کوں سے اتنے خرچ ہوتے ہیں۔ اور پھر اتنے سارے پیوں کا میں نے کیا کرتا ہے۔ انہوں۔ کھاؤ نہیں، ایک۔“ اس نے بات کرتے کرتے کلگیر اٹھایا اور ویٹر کے ہاتھ پر مارا جو نوکری سے گا جر بے پرواہی سے اٹھا رہا تھا۔ ہاتھ پر لگی تو اس نے بد مزگی سے تالیہ کو دیکھا جس نے لفی میں دائیں بائیں گردن ہلائی۔ ”انہوں۔ یہ مالک کی امانت ہے۔ ہم اسے نہیں کھا سکتے۔“

”بس بس تالیہ تم اپنی سچائی اور ایمانداری کو لے کر ہمیشہ ویٹر کی ویٹر ہی رہنا۔“ وہ بر جمی سے ٹرے اٹھاتا باہر نکل گیا۔ تالیہ پھر سے ہنس دی اور کندھے اچکا دیے۔ پھر گردن موڑی توہینہ شیف اسی طرح اسے ناراضی سے گھور رہے تھے۔ تالیہ نے مسکراہٹ دبای۔

”تمہارے خاندان نے کیا تمہیں پیسہ کمانے والی مشین سمجھ رکھا ہے؟ تمہارا باپ اور بھائی خود کیوں کام نہیں کرتے؟ چلو ماں باپ تو ٹھیک ہے بھائی بھائی اور ان کے بچوں کا خرچ بھی تم کیوں اٹھاؤ؟ کیا ان کو احساس نہیں ہوتا کہ تم ایک انسان ہو اور دو دو نو کریاں کر کے گزار اکرتی ہو؟“ غصے اور بے بسی کی حدت سے ان کی آنکھوں میں پانی آ گیا تھا۔

”ایسی بات نہیں ہے۔“ تالیہ اداس ہوئی۔ ”ابو بیمار رہتے ہیں، بھائی کی نوکری سے گزار انہیں ہوتا۔ بھائی کے بچے ہیں وہ کام نہیں کر سکتیں.... اور وہ سب کوشش تو کرتے ہیں نا۔ پھر ان کا کیا تصور؟ اگر میں ذرا اپڑھ لکھ جاتی تو کوئی نوکری کر لیتی اچھی سی۔ لیکن خیر....“ وہ کھلے دل سے مسکرائی۔ ”میرے کوں سے خرچے ہیں یہاں۔ نہ پڑھائی وغیرہ کرنی ہوتی ہے، نہ بیمار پر ٹتی ہوں۔ اوپر سے ہوں بھی الیگل۔“ کھٹاک سے ڈوٹی بوڑھے شیف نے اس کے کندھے پر دے ماری۔ وہ بلبلہ اٹھی۔ ”کیا ہے؟“ تزوٹھے پن سے چیخنی بھی۔

”ہزار دفعہ کہا ہے، اس بات کا اعلان نہ کیا کرو۔ پولیس نے پکڑ لیا تو بربی پھنسوگی۔“

”ہاں تو آپ کے سامنے ہی کہہ رہی ہوں کون سا کسی اور کو بتا رہی ہوں۔“ وہ کندھا سہلا تے ہوئے خنگی سے ان کو دیکھ رہی تھی۔ ”آپ الیگل ہوں تو اس میں میرا کیا قصور؟ ٹریول ایجنٹی نے دھوکہ دیا تھا۔ مجھے تو یہاں آ کر علم ہوا۔ میرے تو پیپر زبھی انہوں نے رکھ لئے۔ خیر وہ تو انہوں نے دوسرے نام سے بنوائے تھے۔ غلطی میری اتنی ہے کہ میں نے اسی وقت عقل سے کیوں نہیں کام لیا۔ مگر مجھے نوکری چاہیئے تھی نا!“

کندھا سہلا تا اس کا ہاتھ ڈھیلا پڑ گیا۔ اداسی سے پلکیں جھک گئیں۔ ”اب اگر تنخواہ بھیج دیتی ہوں پاکستان تو کیا برا کرتی ہوں۔ ایک بھائی ہی تو ہے کمانے والا۔ اب فوج کی نوکری میں کہاں گزارا ہوتا ہے پانچ لوگوں کا؟“ اس نے سر جھنک کر پانی کی بوتل نکالی اور بیٹھے بیٹھے منہ سے لگائی۔

م عمر شیف نے پلٹ کے اسے دیکھا۔ ”زنسنگ چھوڑ دی اس نے؟“ تالیہ نے پانی کا گھونٹ بوتل اور پر لے جا کر بھرا، پھر بوتل ابوں سے ہٹائی اور ڈھکن بند کرتے ہوئے ان کو دیکھ کر بولی۔ ”کہاں؟ فوج میں میل زس ہے نا وہ۔ آپ کو تو میرے گھروالے اتنے برے لگتے ہیں کہ ان کی اچھی باتیں بھی بھلا دیتے ہیں آپ!“ آخر میں زوٹھے پن سے بولی۔ شیف چند لمحے تا سف سے اسے دیکھتے رہے۔ ”تمہارے کوئی خواب نہیں ہیں تالیہ؟“ اس سوال پر تالیہ جو گوتم بدھا کے انداز میں چوکڑی مارے کا و نظر پر بیٹھی تھی، چھوڑی تھے انگلی رکھے اور پر دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔ ”میرے خواب؟“

”ہاں تالیہ... تمہارا سب سے بڑا خواب کیا ہے؟“ ایک ویٹر واپس آگیا تھا اور گفتگو میں پر جوش سا داخل ہوا تھا۔ ویٹر، شیف، سب رک کر اسے دیکھنے لگے جو انگلی سے گال پر دستک دیتی اور پر دیکھتی سوچ رہی تھی۔ پھر اس کی آنکھیں چمکیں، اس نے ان سب کو دیکھا، اور چمکنی بجائی۔ ”ہے نا۔“

”کیا؟“ سب کام روکے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ تالیہ نے دانت سے نچالاب دبائے بڑی بڑی سبز آنکھیں مسکرا کے جھمکیں۔ ”میرا سب سے بڑا خواب یہ ہے کہ میں ایک سوپ کا رٹ دھکیلتے ہوئے شہر کی مصروف ترین سڑک پر سوپ بیچ سکوں۔ میرا اپنا ذاتی سوپ کا رٹ ہو اور لوگ میری بہترین رستپسی والے سوپ کے دیوانے ہوں!“

کچن میں لمحے بھر کو سناتا چھا گیا۔ شیف کا چہرہ سب سے زیادہ اتر اتھا۔ ویٹر تو جل بھن گئی۔

”ایک سوپ کی ریڑھی؟ بس تالیہ؟ بس؟“ ایک نے پیر پنچا۔

تالیہ ڈر کے ذرا خفیف ہوئی۔ ”کچھ غلط کہا میں نے؟“

”لڑکی تم نوجوان ہو، شکل کی بھی اچھی ہو، خود مختار ہو اور تمہارے خواب اتنے محدود ہیں؟ سوپ کی ریڑھی... اف تالیہ... اف۔“ ویٹر نے ٹرے اٹھائی اور پیر پنچتی باہر نکل گئی۔

”ارے ارے... تمہیں معلوم بھی ہے ایک کارٹ کتنا مہنگا ملتا ہے، بات تو سنو۔“ وہ پیچھے سے پکارنے لگی۔

”تالیہ کیا تم دوسروں کی طرح اونچے اونچے خواب نہیں دیکھتی؟“ شیف نے دیکھنے ڈھکا اور اس کے سامنے آ کر حوصلہ افزاء انداز میں پوچھنے لگے۔ ”کیا تمہارا اول نہیں چاہتا تمہارا اونچا سماں ہو، جس میں تم ملکہ کی طرح ہو؟“ تمہارے پاس دولت کا ذہیر ہو، شہزادوں سا شوہر ہو، تمہیں کوئی کام نہ کرنا پڑے، نوکر چاکر ہوں، تم جس شے کو ہاتھ لگا وہ سونا بن جائے۔ تالیہ مراد کیا تم ایسے خواب نہیں دیکھتی؟“

تالیہ نے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دائیں بائیں نفی میں گردن بھائی۔ ”نہیں تو۔“

بُوڑھے شیف کی ساری خوش اخلاقی ہوا ہو گئی۔ ماتھے کو چھوٹا سے غصے سے کوسا اور کام کی طرف پلٹ گئے۔ تالیہ کندھے اچکا کر پھر سے ہنس دی۔

”میں تو ایک عامی اڑکی ہوں۔ نہ میری تعلیم ہے، نہ کوئی اعلیٰ خاندان۔ مجھے خوابوں میں دلچسپی ہے نہ مردوں میں۔ بس تنگو کامل کے گھر سے ریسٹورانٹ اور ریسٹورانٹ سے ان کا گھر۔ میری زندگی جب ان ہی دونوں چکروں میں کٹ جانی ہے تو کیا کرنا ہے میں نے لمبے لمبے خواب دیکھ کر۔ اپنے لئے کماتی ہوں، کھاتی ہوں اور گھروالوں کو کھلاتی ہوں۔ میں تو بہت خوش ہوں ایسے۔ میری زندگی میں کوئی مسئلہ کوئی پریشانی نہیں ہے۔“ وہ بے فکری سے بنس کر ہے انداز میں کہہ رہی تھی۔

شیف مزید اسے کچھ سخت سنت ساتے کہ ایک ویٹر تیزی سے اندر آیا۔

”تالیہ... تم سے کوئی ملنے آیا ہے۔“

”مجھے سے؟“ تالیہ نے انگلی سینے پر رکھ کے آنکھیں حیرت سے پھیلائیں۔

”ہاں۔ سوٹ وغیرہ پہن رکھا ہے۔ پوچھ رہا تھا تم تنگو کامل کی ملازمت ہونا؟“

”اوہ۔“ تالیہ کی بزرگ آنکھیں چمکیں۔ ”میں سمجھ گئی۔“ وہ جلدی سے نیچے اتری، جوتے پیروں میں گھسیوں (ویٹر نے تاک سکوڑ کے اس کی اس حرکت اور خالی سلیب کو دیکھا۔ صفائی، تمیز، آداب، سب خاک میں مل جاتے تھے اس کی وجہ سے۔) اور باہر کو پکی۔ کیپ سر سے اتار دی تھی، سیاہ بال جو کندھوں تک آتے تھے اس وقت پونی میں بند تھے۔ وہ ہاتھوں سے سامنے کے بال درست کرتی آگے چلتی آئی۔ لبؤں پسکراہٹ تھی۔

کونے کی میز پر مولیا بے چین سا بیٹھا تھا۔ چینی نقوش کا حامل وہ درمیانے قد کا نو جوان تھا، اور بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ پریشان لگتا تھا۔ دفعتاً نظر اٹھائی تو دیکھا، سامنے سے ایک ویٹر چلتی آرہی ہے۔ حالم کی دی گئی تصویر میں اس کی شکل واضح نہ تھی مگر وہ پہچان گیا۔ البتہ اپنی جگہ سے نہیں اٹھا۔ چہرے کو بھی سنجیدہ بنالیا۔ وہ سامنے آئی تو اس نے کرختگی سے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

”بیٹھو! مجھے تم سے بات کرنی ہے۔“

وہ اس کے سامنے بیٹھی۔ کہنیاں میز پر رکھیں، تھیلیوں پر چہرہ گرایا اور دلچسپی سے اس کو دیکھا۔ ”مولیے۔“

مولیا قدرے رعب سے ہٹکنکھارا، پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے گویا ہوا۔ ”تم تنگو کامل کی ملازمت ہونا؟“

”دیکھنی کہ میرا اندازہ درست تھا۔“ وہ ہلکا سا ہنس دی۔ ”آپ تنگو احمد کامل (تنگو کامل کے بیٹے کا نام) کی سالگرہ کی تقریب میں تھے شاید اور میرا سوپ پیا تھا ان آپ نے۔ اور اب آپ یقیناً چاہتے ہوں گے کہ میں آپ کے لئے کام کروں مگر میں....“

”تم ملائیشیا میں الیگل ہوئے ہے؟“ وہ سختی سے بولا تو وہ ٹھہر گئی۔ مسکراہٹ مضموم ہوئی۔ بزرگ آنکھوں میں حیرت ابھری۔

”آپ کو کیسے.....“

”ویکھو میں لمبی بات نہیں کرنے آیا لیکن اگر ابھی میں جا کر پولیس کو اطلاع کر دوں کہ تم یہاں الیگل ہو تو یہ سوپ پارک کا مالک تو چھوڑو میں تکوں کامل بھی مشکل میں پھنس جائے گا۔“

تالیہ کے ہونٹ کھل گئے۔ یک نک اسے دیکھئے۔ پھر آنکھوں میں افسوس ابھرا۔

”آپ ایسا کیوں کریں گے؟ میرے ساتھ ہر یوں ایجنسی نے دھوکا کیا تھا۔ اور پھر میں نے اپلائی کر رکھا ہے قانونی.....“

”تم جانتی ہو میں تمہیں ابھی کے ابھی جیل میں ڈلو اسکتا ہوں۔“ وہ آگے کو جھکا اور اس کو گھوڑتے ہوئے غرایا۔ وہ ہاکا ساچوں کی۔

”آپ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟“

مولیا نے گہری سانس لی اور فائل کھولی۔ پہلے صفحے پر تالیہ کی پروفائل (رپورٹ) رکھتی تھی۔ تالیہ نے سر جھکا کے دیکھا تو آنکھیں پھیل گئیں۔ بے یقینی سے پلکیں اٹھائیں۔ ”میرے بارے میں آپ کو اتنا کچھ.....؟“ اب کے وہ ذرا سنبھل کر بیٹھی۔ چونکی سی۔ قدرے پیچھے بھی ہوئی۔ ”کون ہیں آپ؟“

مولیا نے اگلا صفحہ پہنچا اور ایک تصویر یہ کال کے اس کے سامنے رکھی۔ ”یہ تمہارے گھروں کی تصویر ہے نا، کشمیر میں رہتے ہیں وہ۔ جانتی ہو میں ان کے بارے میں کیسے جانتا ہوں؟ کیونکہ میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔“ اس کی طرف بھکھو وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا چاہتا کہ کہہ رہا تھا۔ تالیہ کی رنگت زرد پڑنے لگی۔ وہ مزید پیچھے ہوئی پھر گردن گھما کے دیکھا۔ اردو گردوں کھانے پینے اور باتوں میں مصروف تھے۔ کوئی ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ خوفزدہ لڑکی نے پھر سے مولیا کو دیکھا۔

”کیا چاہتے ہو؟“

”تمہارے اوپر قرضہ بھی ہے۔ بھائی کی شادی کے لئے یا تھا؟ وہ کیسے اتارو گی؟ کبھی سوچا؟“

”آپ کو مجھ سے کیا چاہیے۔“ وہ شدید غیر آرام وہ نظر آرہی تھی۔

”ویکھو تالیہ.....“ مولیا نے آواز دھیمی کی۔ لمحے بھر کے لئے بھی وہ لڑکی کے چہرے پر سے نظریں نہیں ہٹا رہا تھا۔ ”اگر تم چاہو تو میں تمہارا قرضہ بھی اتار سکتا ہوں، مزید رقم بھی دے سکتا ہوں اور تمہاری فیملی کو بھی کچھ نہیں ہو گا۔ بات نہیں مانو گی تو تمہارے ماں باپ کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور تم الیگل ہونے اور جیل چلے جانے کے باعث ان کی مدد بھی نہیں کر پا گی۔ اب بتاؤ میری مدد کرو گی؟“

”کیسی مدد؟“ وہ ابھی۔ رنگت قدرے بحال ہوئی۔

”تمہارے ماں کو میرا یہ پٹاپ چرایا ہے اور مجھے وہ واپس چاہیے۔ یہ اس کی تصویر ہے۔“ اس نے کھلی فائل سے ایک اور کاغذ کال کر سامنے رکھا تو نیچے رکھے ایک کاغذ کا کونا باہر کو سرک آیا۔ تالیہ نے گردن ٹیڑھی کر کے پڑھا۔ نیچے کاغذ کو جس پر ایک ہی نقرہ کی نے بار بار پین سے لکھا ہوا تھا۔

”حالم کے ایل کا بہترین اسکام انویسٹی گیئر ہے اور میں آئندہ.....“ مولیا نے ایک دم ہڑبڑا کے کاغذ اندر ڈالا۔ تالیہ نے چونک کے اسے

دیکھا۔ ”آپ نے کسی حالم نامی اسکام انویسٹی گیئر کو ہاڑ کیا ہے میری چھان بین کے لئے؟“ آواز میں ہلاکا ساغصہ در آیا۔ ”میری بات ہیان سے سنو۔“ اس نے دوسرا کاغذ سامنے کر کے فائل بند کر دی۔ (سوال نظر انداز کر گیا۔) ”یہ اس لیپ ٹاپ کی تصویر ہے اور یہ تنگو کامل کے گھر میں موجود ہے۔ میرا لیپ ٹاپ چرا یا ہے انہوں نے۔ تم مجھے یہ واپس لا کر دو گی اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم جانتی نہیں ہو میں تمہارے ساتھ کیا کر سکتا ہوں۔“

”آپ چاہتے ہیں میں چوری کروں؟“ وہ بھجن سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

”ہاں۔ جو انہوں نے چوری کیا مجھ سے، اس کو واپس چوری کرو۔ میں تمہیں ایک خطیر رقم دوں گا اور یعنیلیشی لینے میں بھی تمہاری مدد کروں گا۔“

”میں اپنے مالک کے گھر چوری کروں؟ اپنے مالک کے گھر؟“ اس نے انگلی سینے پر رکھ کے افسوس سے پوچھا۔ مولیا نے بے صبری سے جھٹ سر ہالیا۔ ”ہاں....“

تالیہ نے تاسف بھری سانس کھینچی اور سر جھٹکا۔ ”پھر آپ ایسا کریں، پولیس کو بتا دیں جو بھی بتانا ہے، کیونکہ تالیہ ایسی نہیں ہے۔ مجھے آپ کے پیسے نہیں چاہیے ہیں۔ میں اپنے مالک کو ہو کا نہیں دوں گی۔“ وہ سادگی سے کہہ کر کھڑی ہو گئی۔ مولیا بھی ساتھ ہی کھڑا ہوا۔

”سب یہی کہتے ہیں کہ ہمیں پیسے نہیں چاہیں اس سے پہلے کہ انہیں چند صفر بڑھا کے رقم دی جائے۔ یہ میرا نمبر کھلو۔ تمہارے پاس ایک گھنٹہ ہے۔ ذہن بد لے تو مجھے کال کرنا۔ لیکن اگر پولیس یا تنگو کامل کے پاس جانے کی کوشش کی تو یاد رکھنا.....“ اس نے اپنا موبائل ہمراکے دکھایا۔ ”میں نے تمہاری گفتگو ریکارڈ کر لی ہے جس میں تم نے الیگل ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ اگر مجھے میرا لیپ ٹاپ نہ ملا تو میں اس گفتگو کو کیسے استعمال کر سکتا ہوں، تمہاری سوچ ہے۔ ایک گھنٹہ۔“ ایک کاغذ کی چیٹ اس کی طرف بڑھاتی۔ جب وہ نہیں ہلی تو مولیا نے اسے زبردستی اس کے اپر ان کی جیب میں ڈال دیا اور آگے بڑھ گیا۔ وہ خنگی سے اسے دیکھتی رہی، یہاں تک کہ وہ باہر نکل گیا۔

چند منٹ بعد وہ کچن سے تیز تیز اپنی چیزیں سیمیٹی دکھانی دے رہی تھی۔ اردو گرو کھڑے شیف اور ویٹر زبار بار پوچھ رہے تھے۔ ”تالیہ کیا ہوا ہے.... کیوں جارہی ہو؟“ مگر وہ بار بار آنسو رگڑتی سرفتی میں ہلائے جا رہی تھی۔ ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے۔

کار میں بیٹھتے ہوئے مولیا نے دروازہ زور سے بند کیا اور چند لمحے کھڑکی سے باہر ہڑک پہنچتا رہا۔ بے فکر سیاح گھوم رہے تھے۔ کھانوں کی خوبیوں۔ بازار کا رش۔ وہ مضطرب سا سارے کوبے ہیانی سے دیکھتا رہا، پھر فون نکال کے کال ملائی۔

”بولو!“ حالم کی کھر دری، خشک آواز سنائی دی۔

”میں نے ان تمام ملازموں میں سے تالیہ کو چنا۔ تالیہ مرا دکو۔“

”گد۔ میں ذرا مصروف ہوں تو....“

”وہ اچھی لڑکی ہے۔ میں نے خواہ مخواہ اسے اتنا ہر اس اس کیا۔ وہ سچی اور ایماندار ہے۔ وہ بھی چوری نہیں کرے گی۔ اس نے انکار کر دیا۔

ہے حالم؟" وہ تھک کا ہوا لگ رہا تھا۔

"رقم بڑھا دو۔" وہاں بے نیازی تھی۔

"تم نے سنائیں میں نے کیا کہا؟ وہ ایک ایماندار اور سچی بڑکی ہے۔ سادہ اور معصوم!"

"یہ سب اندر سے ایک سی ہوتی ہیں۔ یہاں کوئی سچایا ایماندار نہیں ہے مولیا۔ پسیے بڑھا دو وہ فوراً مان جائے گی۔" حالم کو جیسے اکتا ہٹھ ہو رہی تھی۔ مولیا کے لبؤں پر زخمی مسکرا ہٹ ابھری۔

"یہ تمہارا تجربہ بول رہا ہے کیا؟ کسی بڑکی نے وہ کو کہ دیا ہے تمہیں، یوں لگتا ہے۔"

جواب میں چند لمحے خاموشی چھا گئی۔ گھری خاموشی۔ پھر حالم کا زور دار قہقہہ گونجا۔ مولیا نے گڑ بڑا کے فون کان سے ذرا دور کیا۔

"ارے مولیا.... تمہارا میٹھل کیلئے میرے پاؤں سے بھی یونچے ہے۔ میرے بارے میں اندازے نہ لگاؤ، اپنا لیپٹاپ ڈھونڈو۔" پھر سے ہنسنے کی آواز آئی اور اس نے فون بند کر دیا۔ مولیا بدمزمگی سے کچھ بڑا یا تھا۔

☆☆=====☆☆

تلگو کامل کا گھر تین منزلہ تھا۔ خوبصورت اور پرتعیش۔ تالیہ نے دروازہ کھولا تو سنہری والی بیپر سے تجی لابی دکھائی دی جس سے سیر صیال اور پر جارہی تھیں۔ ایک طرف لا ونچ میں کھلتا دروازہ تھا۔ سامنے ایک باور دی ملازم کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کے حیرت سے قریب آیا۔

"تالیہ.... تمہارے ڈیوٹی آور زتواب بھی شروع بھی نہیں ہوئے پھر.....؟"

"سر گھر پہ ہیں؟ مجھے ان سے ملنا ہے۔ ابھی۔" وہ بے چینی سے بولتی آگے آئی تھی۔ ملے طرز کی سیدھی لمبی اسکرٹ اور بلاوز پہنے، وہ ریستوران سے مختلف لباس میں تھی۔ بالہ بیز بینڈ لگا کے کھول رکھے تھے جو سیاہ تھے اور کندھوں تک آتے تھے۔ سبز انکھوں میں پریشانی تھی۔

"تالیہ، سر اسٹڈی میں ہیں۔ تمہیں اگر تجوہ وغیرہ چاہیے تو میم سے بات کرو، مگر وہ بھی کل صبح....."

"پلیز مجھے ابھی سر سے ملنا ہے۔ صرف پانچ منٹ کے لئے۔" وہ کہہ کر تیزی سے آگے بڑھی اور سیر صیال چڑھتی گئی۔ ملازم آوازیں دیتا رہ گیا اور وہ یہ جا وہ جا، اور پر بھاگ گئی۔

اوپر بھی اسی طرح کی لابی بنی تھی۔ سامنے کھلا سالا ونچ تھا۔ ایک طرف اسٹڈی کا بند دروازہ۔ تالیہ نے جلدی سے دروازہ کھٹکھٹایا اور دھکیلا۔

اسٹڈی روم میں میز کے پیچھے کری پا ایک اوہیزہ عمر چینی نقوش والے صاحب بیٹھے سامنے کھڑے نوجوان سے کچھ کہہ دے رہے تھے۔ آہٹ پر دونوں نے مڑ کے دیکھا۔ تالیہ نے خفت اور پریشانی سے سر دروازے سے نکال کے ان کو دیکھا۔

"سر میں آ جاؤں؟"

وہ نوجوان جو تنگوں کا مل کا پرنسپل سیکرٹری تھا، منہ بنانے کے منع کرنے والا تھا مگر تنگوں کا مل نے تکلفاً مسکرا کے اسے اشارہ کیا۔ ”آ جاؤ تالیہ“ سیکرٹری چپ ہو گیا۔ تالیہ جھوٹھکتی، نظریں جھکائے اندر داخل ہوئی۔ ان کے عین سامنے آ کر اس نے نگاہیں اٹھائیں۔ ”سر مجھے بات کرنی تھی۔“ وہ مسلسل انگلیاں مرورد ہی تھی۔

”ہاں بولو، مگر ذرا جلدی۔“ انہوں نے کہنے کے ساتھ گھٹری دیکھی۔

”سر... میرے ریسٹورانٹ... ایک آدمی آیا آج۔ اس نے مجھے کہا کہ میں آپ کے گھر جوڑی کروں۔“ وہ ایک بھی سانس میں تیز تیز بتاتی گئی۔ تنگوں کا مل چونکے آگے ہوئے۔ سیکرٹری کا بھی منہ کھل گیا۔ جب تک اس نے بات مکمل کی، وہ دونوں ہر شے بھول چکے تھے۔

”اس نے بتایا وہ کون تھا؟“

”کس کے لئے کام کرتا تھا؟“

”نام کیا تھا؟“ تابڑ توڑ سوالات کی تیز بوجھاڑ سے لڑکی قدرے ہر اس انظر آنے لگی۔ پھر بظاہر ہمت کر کے گردن کڑائی۔ ”نام نہیں بتایا۔ اس نے سر، لیکن اتنا ضرور کہا کہ اس کا لیپ ٹاپ آپ کی اسٹڈی میں ہے۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ آپ لوگ کسی کا لیپ ٹاپ چوری نہیں کر سکتے۔ ہے نا؟“ تا سیدی نظر وہ سے اس نے باری باری دونوں کو دیکھا۔ سیکرٹری نے فوراً مالک کو دیکھا۔

”بالکل بھی نہیں۔ ہم کیوں چراکیں گے؟ بلکہ ہو سکتا ہے وہ تمہارے ہاتھوں میرا کمپیوٹر چوری کروانا چاہتا ہو۔“ تنگوں کا مل تالیہ کو دیکھ کر پورے وثوق سے بولے تو اس نے تسلی بھری سانس خارج کی۔

”نہیں سر، اس نے مجھے لیپ ٹاپ کی تصاویر بھی دکھائی تھیں۔ وہ آپ کے جیسا نہیں تھا۔ سفید ساتھا۔ اس نے بولا یہیں ہے وہ...“ تالیہ نے ایک طاڑا نہ گاہ اطراف پر ڈالی۔

”تم نے بہت اچھا کیا تالیہ جو مجھے آگاہ کر دیا۔“ وہ تو صبغی انداز میں اسے دیکھ کے بولے تھے۔ وہ مسکرا دی۔ سیکرٹری تیزی سے بک شیلف کی طرف گیا اور باری باری دراز کھولنے لگا۔ کتابیں ادھراً ادھر پلٹا کیں۔

”ہو سکتا ہے کسی نے ہمارے اوپر لیپ ٹاپ پلائٹ کیا ہو،“ میں اسے فوراً ڈھونڈنا ہو گا۔ ”تنگوں کا مل سوچتے ہوئے بولے تھے۔ سیکرٹری نے سر ہلا دیا۔ وہ تیز تیز چیزیں الماپلٹا رہا تھا۔ فتحاً نہیں تالیہ کا خیال آیا۔

”تم پیسے لے سکتی تھیں، مگر تم نے مجھے کیوں بتایا؟“ اس نے پلکیں اٹھائیں۔

”سر اگر انسان میں وفاداری، سچائی اور ایمان ہی نہ ہو تو وہ کیسا انسان ہوا؟ باقی ساری خوبیاں اور ڈگریاں سب کے پاس ہوتی ہیں۔ مگر سچائی سیکھی نہیں جاتی۔ یہ تو انسان کی گھٹی میں ہوتی ہے۔“

دراز کھولتے بند کرتے سیکرٹری نے پلٹ کے درزیدہ نظر وہ سے اسے دیکھا اور اونچا سا بولا۔ ”سر یہ اس کا فرض تھا کہ آپ کو رپورٹ کرتی۔ اگر محترمہ چوری کرتیں تو ظاہر ہے ہمیں پتہ چل جاتا، اور اس آدمی کی بھی گارنٹی نہیں تھی کہ پیسے دے گایا نہیں۔“ آواز میں جلن تھی۔

تالیہ کا پھرہ بھگھا گیا، البتہ تنگو کامل نے ایک ناپسندیدہ نظر سیکرٹری پر ڈالی۔

”اگر جھوٹ بولنا ڈس کریڈٹ ہے تو چ بولنے کا کریڈٹ دینے کی بھی عادت ڈالنی چاہیے، منگ۔“

”سر!“ وہ ایک دم بولی تو وہ جو اسے جھڑک دے تھے تالیہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ ”کیا؟“ ترمی سے پوچھا۔

”مجھے یاد آیا، اس کے پاس ایک کانگڈ پر کسی scam کا نویشی گیئر کا نام لکھا تھا۔“ تالیہ نے آنکھیں بند کر کے یاد کیا۔ ”حالم... یہی نام تھا اس کا۔“ اس نے اب کے جوش سے تنگو کامل کو دیکھا۔ اس نے میری معلومات اسی انویشی گیئر سے لی تھیں۔“

”حالم؟ ہوں۔“ انہوں نے سوچتے ہوئے ہنکار ابھرا۔ سیکرٹری منگ ہاتھ جھاڑتے ہوئے واپس آیا۔ ”نہیں ملا سر۔ کچھ بھی نہیں ہے یہاں۔“

”تو اس حالم نے کیوں کہا اس آدمی کو کہا اس کا لیپ ٹاپ یہیں ہے؟ اسی نے بتایا ہو گا یقیناً۔“ وہ متکفر نظر آرہے تھے۔

”میں نے حالم کا نام پہلی دفعہ سنایا ہے، لیکن میں اس کی تحقیق ضرور کروں گا۔“ منگ پورے عزم سے کہہ رہا تھا۔ ایک دم تنگو کامل نیچے کو جھکھے اور کچھ کھولنے لگے۔ آواز سے یوں لگتا تھا کہ جیسے اسٹڈی ٹیبل کے نچلے خانے میں رکھا کوئی سیف کھول رہے ہوں۔ پھر انہوں نے سیف سے چیزیں نکال کر اپر کھنی شروع کیں۔ گن... گن... کاغذات... جیولری کے بند ڈبے۔

سیکرٹری نے تالیہ کو فوراً رعب سے کہا۔ ”تم ابھی جاؤ۔“ وہ سر جھکائے مڑنے لگی تو تنگو کامل نے چند مزید چیزیں میز پر رکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

”تم رو تالیہ۔“ وہ اپنا سیف خالی کر رہے تھے۔ وہ دونوں سیف تو نہیں دیکھ سکتے تھے لیکن ان چیزوں کو دیکھ سکتے تھے جو وہ میز پر ڈھیر کر رہے تھے۔ زیورات کے ڈبے۔ فائلز۔ چند چیک بکس۔ اور ایک شیشے کا ڈبہ جو گھڑی کے باکس کے جیسا تھا اور اس میں ایک شہری سکہ چمک رہا تھا۔ پھر انہوں نے وہ چیزیں واپس ڈالنی شروع کیں۔ سیف بند کرنے کی آواز آئی۔ وہ سیدھے ہونے لگے، پھر جیسے کوئی خیال آیا اور اسٹڈی ٹیبل کا اور پری دراز کھولا۔

اندر سامنے ایک سفید لیپ ٹاپ رکھا تھا۔

تالیہ کا منہ کھل گیا۔ ”یہ یہاں... واقعی...؟“

”یہ ہم نے نہیں چوری کیا۔ یقین رکھو۔“ انہوں نے گھری سائنس لے کر اسے تسلی کروائی۔ اور لیپ ٹاپ سیکرٹری کی طرف بڑھایا۔

”یہ کسی نے ہمیں پہنسانے کے لئے یہاں رکھا ہے۔ دیکھو اور ان کی کمپنی کا لوگو بھی بنائے۔ میں جانتا ہوں یہ کس کا ہے۔“ تنگو کامل اور سیکرٹری نے معنی خیز نظروں کا تبادلہ کیا۔

”سر۔ ہمیں پولیس کو کال کرنی چاہیے۔ میں مز کامل سے کہتی ہوں۔“ وہ جذباتی سی ہو کر دروازے کی طرف لپکی۔

”رکو رکو۔ کیا کر رہی ہو۔ تالیہ۔ اوہ ہو۔“ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ تو وہ الجھن سے واپس مڑی۔ ”پولیس کو نہ بلائیں؟“

”نہیں، پہلے ہمیں دیکھنا ہو گا کہ اس میں ہے کیا۔“

”لیکن سر جب یہ ہماری چیز ہی نہیں ہے تو ہم کیوں دیکھیں اسے؟“

”بھتی اصل مالک کا معلوم کرنے کے لئے دیکھنا تو ہو گا۔“ انہوں نے جلدی سے اسے تسلی کروائی پھر سیکرٹری کو اشارہ کیا تو وہ لیپ ٹاپ لے کر دوسرا کری سیکھنے بیٹھ گیا۔ تالیہ گو گلوں کیفیت میں کھڑی رہی۔

”تم نیچے جاؤ اور میرے لئے اچھا سا سوپ بناؤ کر لاؤ“ پھر میں بتاتا ہوں کہ ہم نے کیا کرنا ہے۔ تالیہ نے بجھے چہرے کے ساتھ سر ہلا دیا اور باہر نکل گئی۔ آدھے گھنٹے بعد وہ سوپ کی ٹڑے لئے اسٹڈی میں داخل ہوئی تو وہ دونوں تیار سے بیٹھے تھے۔ لیپ ٹاپ شاپنگ بیگ میں ڈال رکھا تھا۔ تالیہ نے ادب سے سوپ ان کے سامنے سجا یا۔

”تم نے کہا، اس نے تمہیں اپنا نمبر دیا تھا ہے نا؟“

”جی سر۔ میرے اپر ان میں رکھا ہے۔“

”تم اس کو کال کر کے سوپ پارلر بیاؤ اور یہ اس کو دے دو۔ ہم نے چیک کر لیا ہے، یہ اسی کا ہو گا۔ کسی سازش کے تحت کسی نے اسے ہم پر پلانٹ کرنے کی کوشش کی ہے۔ پولیس ہماری بات مانے گی نہیں۔ اس لئے چپ چاپ اسے واپس کر دو۔“

تالیہ نے غیر آرام دہ سی ہو کر ان دونوں کو دیکھا۔ ”مگر سر۔ یہ یہاں آیا کیسے ہے؟ اور میں کس طرح؟... وہ تو سمجھے گا میں نے چوری کی ہے۔“

”تو سمجھنے دو ۔ اور وہ جو پیسے دے وہ رکھ لینا۔ تمہارے کام آئیں گے۔“

”میں پیسے نہیں رکھوں گی۔“ وہ بد ک گئی۔

”رکھ لینا تالیہ، ورنہ وہ سمجھے گا کہ تمہیں ہم نے بھیجا ہے۔ اس کو یہ معلوم نہیں ہوا چاہیے کہ ہم اس میں انوالوؤ ہیں۔ ٹھیک ہے؟“ سیکرٹری اب خوشامدی انداز میں سمجھا رہا تھا۔ تالیہ کی آنکھوں کے کنارے بھیلنے لگے۔

”میں اس کو چور لگوں گی سر۔ تالیہ چور نہیں ہے۔“

”ہم جانتے ہیں یہ بات تالیہ۔ اور ہم تمہیں اس کام کی اجازت دے رہے ہیں اس لئے دل سے کسی بھی گلٹ کو نکال کر یہ اسے واپس کر دو۔ یہ تمہارے مالک کا حکم ہے۔ ٹھیک ہے؟“

تالیہ نے ہتھی کی پشت سے آنکھیں رگڑیں اور سرا ثابت میں ہلا کیا۔

”اور یہ تمہارا انعام ہے۔“ انہوں نے توٹوں کی ایک گذی اس کی طرف بڑھائی۔ جسے سیکرٹری منگ نے ناپسندیدی گی سے دیکھا تھا۔ تالیہ نے جیسے بے دلی سے وہ نوٹ اٹھائے تھے۔

جب وہ لیپ ٹاپ لے کر باہر نکلی تو پچھے سے تنگوں کے سے مخاطب کر کے کہا۔ ”اس بے قوف پر نظر رکھنا۔ کہیں اس کو

چیز نہ بتا دے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے سر۔ لیکن اگر آپ مجھے کچھ وقت دیتے تو میں اس لیپ ٹاپ کو keylog بھی کروادیتا۔ یہ ہمارے حریف کا لیپ ٹاپ ہے۔ وہ جو بھی کام اس پر کرتا ہم اس کو دیکھ سکتے اور.....“

”فائلز کا پی کر لیں ہم نے یہی بہت ہے۔ اور ہاں پتہ لگا دیا یہاں آیا کیسے؟“ ان دونوں کی آوازیں مدھم سرگوشیوں میں تبدیل ہو رہی تھیں۔

”مگر سر انعام کے طور پر تالیہ کو اتنی خلیفہ رقم دینا غلط نہیں ہو گا؟“ وہ ذرا جذبائی ہو کے بولا۔

”زیادہ سبک بک نہ کرو۔ جو چیز اس کے توسط سے ملی ہے ہمیں اس کی قیمت لاکھوں کروڑوں میں ہے۔“ وہ اسے ڈپٹ رہے تھے۔ اور تالیہ سر جھکائے لیپ ٹاپ سینے سے لگائے سیرھیاں اتر رہی تھیں ایسے کا سے بار بار گالوں پر آئی ننھی کور گڑ ناپڑ رہا تھا۔

☆☆=====☆☆

سوپ پارلر پر معمول کا رش تھا۔ مغرب اتر چکی تھی باہر برآمدے میں لگی کرسیوں پر بھی مہماں بیٹھے کھاپی رہے تھے۔ سارے بازار میں رونق میلہ سا گا تھا۔ ایسے میں سڑک کنارے ایک میز پر وہ سر جھکائے بیٹھی تھی، اور گود میں شانگ بیگ میں رکھا لیپ ٹاپ پڑا تھا۔ دفعتا دوڑتے قدموں کی آواز آئی، پھر سامنے والی کریکھیچ کے کوئی بیٹھا۔ تالیہ نے گلابی متور مانگیں اٹھائیں۔ وہ خوشی سے تمباکتے چہرے والا مولیا تھا۔

”مجھے پتہ تھا۔۔۔ مجھے پتہ تھا تم اچھی لڑکی ہو میرا کام کر دو گی۔ لیپ ٹاپ لائی ہو؟“ اس کی آنکھوں میں ڈر، خوف اور فتح کے ملے جلے تاثرات تھے۔ تالیہ نے اثبات میں سراو پر بیٹھے ہلا کیا۔

”اوے کے۔۔۔ مگر ہاں۔۔۔ پہلے تمہارے پیسے۔“ اس نے جلدی سے جیب سے ایک پھولا ہوا لفافہ زکالا۔ ”گن لو۔“

تالیہ نے ایک خاموش نظر اس پر ڈالی، پھر لفافہ اٹھا کر گود میں رکھ لیا اور لیپ ٹاپ میز پر مولیا نے بے قراری سے لیپ ٹاپ اٹھایا اور کھوں کے دیکھا۔ سکون سا اس کے چہرے پر چھلنے لگا۔ ”یہ ٹھیک ہے۔ باکل ٹھیک۔ تھینک یو تالیہ۔“

وہ خاموشی سے اٹھ گئی۔ دور کھڑی کار میں سے ان پر نظر رکھتے سیکڑی منگ نے بھی تشفی بھرا ایک مسیح اپنے باس کو لکھا۔

”بے فکر ہیں۔ تالیہ نے اسے کچھ نہیں بتایا۔“

”سوری تالیہ۔۔۔ میں نے تمہیں اتنا پریشان کیا۔“ پریشانی کی وہندہ چھٹی تو مولیا نے افسوس سے کہنا چاہا۔ مگر تالیہ مراد نے ہاتھ جھلا کے اسے جانے کا اشارہ کیا، اور خود بیگ میں رقم ڈالتی، پھرے پنا گواری، بے بسی اور غصہ لئے سوپ پارلر کی طرف بڑھ گئی۔

”خیر۔۔۔“ مولیا نے لیپ ٹاپ اٹھاتے ہوئے پیچھے سے بلند سا کہا۔ ”میرے دوست نے ٹھیک کہا تھا، رقم بڑھا دو تو تم سب ایک سی ہوتی ہو۔ یہاں کوئی سچا اور ایمان دار نہیں ہے۔“

وہ آگے بڑھتے بڑھتے رکی اور پلٹ کے چھپتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا، لیکن لب سختی سے بند رکھے اور پھر مرگئی۔ رات پھیل رہی تھی۔ مولیا کا دن بالآخر کامیابی لے آیا تھا۔ سیکرٹری منگ نے کار آگے بڑھا دی اور مولیا اپنی کار کی طرف چلا گیا۔ ان دونوں کو اور ان کے باسز کو مطلوب چیز مل گئی تھی، اور وہ سب مطمئن تھے۔

ایسے میں تالیہ مراد سوپ پارلر میں آئی، اپنا استغفاری لکھ کر کا ونڈر پر جمع کرایا، اور اسی خاموشی سے وہاں سے نکل گئی اس سے پہلے کہ کوئی اس کو روک کے وجہ پر چھلے۔

بیگ میں دو مختلف نوٹوں کی گدیاں اٹھائے وہ بس اٹاپ تک آگئی۔ قریباً آدھے گھنٹے بعد بس اس کو کے ایل کے مختلف مقامات سڑکوں اور گلیوں سے گزارتی ایک شاہانہ طرز کے علاقے میں لے آئی۔ وہ اٹاپ سے اتری، اور بیگ سنجاتی ہوئی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ایک کالونی میں آگے بڑھتی گئی۔

چند منٹ کی واک کے بعد وہ بالآخر ایک گیٹ کے سامنے رکی۔ گیٹ کھلا تھا۔ تالیہ نے اندر قدم رکھا۔ سامنے رات کی تاریکی میں یہ پوٹھ سے جگہ گاتا لان وکھائی دے رہا تھا۔ خوبصورت نفیس، تراشیدہ سالان اور اس کے اختتام پر اونچا سا کھڑا بیگ۔ وہ بیگ کندھے پر ڈالے آگے چلتی آئی، چلتی آئی..... یہاں تک کہ برآمدے کی سیڑھیاں عبور کر کے اونچے داخلی دروازے تک جا رکی۔ پھر بیل، بجائی اور بند مٹھی سے دھپ دھپ دستک دی۔

بھاری قدموں کی آواز آئی اور پھر دروازہ کھل گیا۔ تالیہ نے نظریں اٹھائیں۔ سامنے بھاری بھر کم جتنے والی سیاہ رنگت کی عورت کھڑی تھی۔ عمر کافی زیاد تھی۔ پچاس پچھن کے لگ بھگ۔ بال موٹی موٹی گھنٹریاں لٹوں کی صورت کندھوں تک آتے تھے، اور اس نے کھلے سے کپڑے پہن رکھے تھے۔ چوکھت پر بازو بھائے، اس نے خشکیں نگاہوں سے سامنے کھڑی ویڑس کے یونیفارم والی لڑکی کو دیکھا اور استغفاریہ ایر و اٹھائی۔ ”ہوں؟“

تالیہ نے نظریں جھکا دیں اور رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

”آج تالیہ نے اپنا سب کچھ کھو دیا۔ اپنا وقار، اپنا ایمان، اپنی سچائی، اپنی عزت..... میں نے ہر شے کو چھڑا لالا۔ میں نے..... تالیہ مراد نے اپنے ضمیر کا سو دا کر لیا۔“

سیاہ موٹی عورت نے سر سے پیر تک اسے دیکھا اور بنا کوئی اثر لئے سنجیدگی سے بولی۔ ”کتنے میں؟“

تالیہ کی پلکیں ہنوز جھکلی تھیں۔ اس سوال پر چند لمحے وہ نہیں ہلی، پھر ایک دم پلکیں اٹھائیں تو ان میں آنسو گانب تھے اور لوں پر مسکراہٹ تھی۔

”سات لاکھ میں۔“ وہ چکنی اور دونوں ایک دم ہنس پڑیں۔

”اب سامنے کھڑی رہو گی یا مجھے میرے گھر میں داخل بھی ہونے دو گی؟“ وہ ایک دم مصنوعی خنگی سے بولی تو فربہ عورت مسکرا کے

سامنے سے ہٹی اور ہاتھ پھیلا کے اشارہ کیا۔

”ویکم ہوم، تالیہ۔ یا شاید مجھے کہنا چاہیے... ویکم ہوم، حالم!“ تالیہ نے مسکرا کے بیگ اس کے بازوں میں تقریباً پھینکا اور مانو سیت بھری شان سے اندر داخل ہو گئی۔

اندر خوبصورت سالاونج تھا جس کے آگے اوپن کچن تھا۔ وہ پھولوں، پینٹنگز اور اونچے وال موراڑ سے سجا ایک اعلیٰ درجے کا گھر لگتا تھا۔ ”کیسار ہاScam (فراؤ؟) بے بی گرل؟“ سیاہ فام عورت بیگ اٹھائے اس کے پیچھے آئی تو وہ لاونج کے وسط میں کھڑی ایڑیوں پر چاروں طرف گھومتی، مسکرا کے اپنا گھر دیکھ رہی تھی۔ اس سوال پر مڑ کے اسے دیکھا اور کھلکھلا کے بنس دی۔

”پر فیکٹ۔ تین دفعہ ہیہٹ وصول کی ہے۔ ایک دفعہ اس بے قوف مولیا سے حالم بن کے۔ ایک دفعہ تالیہ بن کے۔ اور ایک دفعہ اپنے کھڑوں بس سے ایمانداری کے انعام کے طور پر۔ لیکن میں بتا رہی ہوں، آج کے بعد میں نے اس مولیا کے ساتھ کام نہیں کرنا۔“ وہ حتیٰ لبجھ میں کہتی کچن کی طرف بڑھ گئی۔ آنکھوں میں جیسے کچھ یاد آنے پر غصہ در آیا۔

عورت نے کمرپہ ہاتھ رکھ لئے اور آنکھوں میں حیرت لئے اسے دیکھا۔

”مولیا تو اتنا اچھا کلائنٹ ہے۔ اس کو تین دفعہ لوٹ چکے ہیں ہم۔ بے چارہ سب کی طرح تمہیں یعنی حالم کو Scam انویسٹی گیئر سمجھتا ہے۔ حالانکہ ہم کے ایل کے سب سے بڑے Scam Artists (چور فراؤ) ہیں۔“

”اور اسی لئے ہم ایسا کلائنٹ افروز نہیں کر سکتے جو میرا نام کا نگذپکھ لکھ کے ہر جگہ گھومتا رہے۔ اف۔“ اس نے جھر جھری لے کر فرتنج کھولا اور ایک سید بکالا، پھر اس میں دانت گاڑتے ہوئے واپس مڑی۔ اب وہ سوپ پارروالی سادہ لڑکی سے بہت مختلف نظر آ رہی تھی۔ آنکھوں میں ایک شاہانہ چمک تھی، کندھے اعتماد سے سیدھے تھے اور پیشانی پر خفا سے بل پڑے تھے۔

”مذاق میں اس گدھے کو کہہ دیا میں نے کہ کافنڈ پکھئے، حالم کے ایل کا بہترین اسکام انویسٹی گیئر ہے۔ وہ تو سچ مج لکھ کر کافنڈ ساتھ میں لئے گھوم رہا تھا۔ اس کو آج ہی کلائنٹ لسٹ سے خارج کرو۔“

”اوہ اچھا!“ فربہی عورت نے گھری سانس لی۔ وہ ابھی تک کمرپہ ہاتھ رکھ کر کھڑی تھی۔ ”مجھے لگا اسے ہماری اصلیت معلوم ہو گئی ہے۔“

”کیسے ہو سکتی ہے یار؟“ وہ ہتھیلیوں کے بل کا اونٹڑا پچڑی اور پیر لٹکا کے بیٹھ گئی، پھر سیدب میں دانت گاڑتے ہوئے بے نیازی سے مسکرا کے بولی۔ ”ہم ڈارک انٹرنیٹ سے آپریٹ کرتے ہیں۔ ہماری لوکیشن کوئی نہیں جانتا۔ اور پھر سب سمجھتے ہیں کہ حالم ایک آدمی ہے کیونکہ میں encrypted فون سے کال کرتی ہوں ہمیشہ مردانہ آواز میں۔ سب یہی جانتے ہیں کہ میں ایک اسکیم انویسٹی گیئر ہوں اور ہمارا ہر کلائنٹ آگے یہی بتاتا ہے کہ میں ساتھ میں مغروڑ اور بد تیز بھی ہوں۔“ وہ سیدب کھاتے ہوئے بنس دی۔ ”مگر وہ نہیں جانتے کہ نہیں کوئی انویسٹی گیئر ہوں نہ ہی کوئی مرد۔ میں اور تم... ہم تو چور ہیں، چور۔ پہلے مسئلہ پیدا کرتے ہیں، پھر اسے حل کر کے پیسے لیتے ہیں۔ جیسے پہلے مولیا کے باس کا یہ پٹاپ چڑا کے تنگوں کا مل کے گھر رکھا، پھر تینوں جگہوں سے پیسے کمائے، ہاں لیکن اس طرح مولیا کسی مخالف کی

نورانی کے سامنے حالم کے نام کا کافندر کھدے، ہرگز نہیں۔ اس لئے آج سے مولیا کائنٹ لسٹ سے آؤٹ ہو گیا۔“

فریبیہ عورت نے افسوس سے گھری سانس کھینچی۔ ”ویسے تو میرا ذاتی خیال ہے کہ مولیا جیسے ناکارہ آدمی کو ہر اس درخت سے معافی مانگنی چاہیے جو اس کے لئے دن رات آسکے بھنپیدا کرتا ہے، لیکن اس کو کائنٹ لسٹ سے خارج کر کے مجھے افسوس ہو گا۔ ایک کائنٹ کم ہو گیا۔“ ”اوہ ہو۔ ڈونٹ وری!“ تالیہ نے ہاتھ جھلا کے بے فکری سے کہا۔ ”میں نے تیکو کامل کے سامنے حالم کا نام لے لیا ہے۔ مستقبل میں ہم ان کے لئے ایسا مسئلہ کریں گے جس کو حل کرنے کے لئے وہ لازماً حالم کے پاس آئیں گے۔ پتہ ہے بہترین اسکام (فرادی) کیا ہوتا ہے؟ جس میں ان مالدار لوگوں کو لگے کہ سب کچھ انہوں نے خود اپنی مرضی سے کیا ہے، سارا آئینہ یا انہی کا تو تھا۔ جیسے آج تالیہ بیچاری کی تو مرضی ہی نہیں تھی، مگر دونوں اطراف نے اسے مجبور کر دیا اتنے سارے پیسے کمانے پا۔“ وہ یاد کر کے پھر سے نہیں، اور سب کو دوسری سمت سے دانت سے کاٹنے لگی۔ کاٹنے پر وہ آلتی پاتی کیے بیٹھی بے فکر اور خوش باش نظر آتی تھی۔

”سوپ پار لرچ ہوڑ آئی ہونا؟“ مولی عورت نے بیگ اٹھا کے میز پر رکھا اور پھر سمجھیدگی سے پوچھا۔

”ہاں..... وہاں کچھ چرا جا گئی تھی۔ اب تو ادا کاری کر کر کے ٹنگ آگئی تھی۔ آج تو اپنے فرضی بھائی کو فوجی بنا دیا میں نے حالانکہ جو کہاںی میں نے تالیہ کی لکھی تھی اس میں وہ نہ س تھا۔ لیکن پتہ ہے کیا.....“ وہ چھٹ کو دیکھتے ہوئے ادا سی سے مسکرائی۔

”اس کردار کا نام ان تین ماہ کے لئے میں نے تالیہ مراد ہی رکھ لیا تھا۔ اپنا اصل نام۔ اچھا لگتا تھا اپنے نام کے ساتھ ایماندار، سچی کے القابات سننا۔ مگر ان بے چاروں کو کیا معلوم کہ میں ایک کرمنش، جھوٹی، چور اور دھوکے باز ہوں۔“ اس نے نگاہیں نیچے کیس اور اپنی دوست کی مولی سیاہ آنکھوں میں دیکھا۔ اس نے خنگی سے ہنریں بھٹکھیں۔

”تم ناخوش ہو اس حال میں کیا تالیہ؟“

”ہرگز نہیں۔“ وہ بے فکری سے نہ دی اور شانے اچکائے۔ ”ابھی تو ہم نے بہت سی چوریاں اور scams ایک ساتھ کرنے ہیں۔ ابھی تو ہمیں بہت امیر ہوتا ہے۔ میں نے کسی جزیرے پر ایک محل خریدنا ہے..... جہاں میں ساری عمر عیش سے رہوں۔ ہماری ہر ”جات“ ہمیں منزل سے قریب کرتی ہے۔ ہمارے خوابوں کی منزل سے۔ اور آج کی رات سیلبریشن کی رات ہے۔ تم کھانا بناو۔“ میں فریش ہو کے آتی ہوں۔“ سب کا درمیانی حصہ بچا کے اس نے تو کری میں اچھا اور کاونٹر سے نیچے زمین پر اتری۔ پھر خیال آنے پر پوچھا۔

”سی فوڈ کیوں نہیں بنایتیں تم آج؟ آخرا تین دن تم نے میرے گھر کا خیال رکھا ہے، آج کیلیئر یز کی پرواہ کیے بغیر میں خوب کھانا چاہتی ہوں۔“ وہ واقعتاً خوش لگتی تھی۔

”اوہ تالیہ!“ مولی عورت نے افسوس سے اسے دیکھا اور دھپ سے صوفے پر گرگئی۔ ”کیا تم نے کبھی ان جانوروں، ان مچھلیوں اور ان جھینگوں کی تکلیف کا احساس کیا ہے جن کو تم جیسے انسان ان کے خاندانوں سے چھین کر، انہیں ذبح کر کے اپنے فریج میں چھپا لیتے ہو؟ کیا تم نے کبھی ان کے لاشوں کی کرب بھری پکارنی ہے جو چاہتے ہیں کہ ان کو جلد از جلد فنا کیا جائے؟“

”نہیں لیکن تم شاید پچھلے اتنے دن میرے گھر میں یہی کرتی رہی ہوئے ہے نا؟“

تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی، چہرے پر غصہ در آیا۔ جارحانہ انداز میں آگے بڑھی اور فریز رکا دروازہ کھولا۔ صاف ستر اتقریبًا خالی فریز ر.....

”اف!“ وہ غصے اور درد سے چلاتی واپس مڑی۔ ”تم میرا سارا شان کھا گئیں؟“

مولیٰ عورت چہرے پر سادگی سجائے تالگوں کی قینچی بنائے صوفے پر بیٹھی اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ ”گوکہ تمہاری یہ ناشکری میری طبیعت پر گراں گزر رہی ہے، لیکن میں تمہیں اس کے لئے معاف کر دوں گی۔ میں اس مرغی کی طرح ہوں جو ہمیشہ تمہارا خیال رکھے گی اور تمہیں تمام جانوروں کی بد دعاؤں سے بچانے کے لئے اپنے پروں میں چھپا کے رکھے گی۔“

تالیہ نے سر سے پیڑتک اسے دیکھا۔ ”اتنی کالی بر انکر مرغی پہلی دفعہ دیکھی ہے میں نے۔ ہونہہ!“ اور پیڑچنی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ ”ناشکری لڑکی۔“ وہ اس کے پیچھے تاسف بھری سانس کھیچ کر رہ گئی۔

☆☆=====☆☆

رات چند ساعتیں مزید آگے سر کی۔ تاریکی بڑھی۔ داغدار چاند کے آگے سے سارے بادل چھٹ گئے اور وہ حالم کے گھر کی کھڑکیوں سے صاف نظر آنے لگا۔ اپنے سارے عیوب، کالک اور چمک کے ساتھ..... عیاں اور واضح.....

لوگ روم میں اب اشتہا انگیز خوبیوں پہلی تھی۔ اوپن کچن جو سلوو اور سیاہ رنگ میں آراستہ کیا گیا تھا، اس وقت کسی ریسٹوران کی طرح جا نظر آتا تھا۔ مدھم زرد بیان جلی تھیں۔ میز پر موم بتیاں روشن تھیں۔ وہ فربہ عورت، اپنے کھلے جھولے نمایاں کو سنبھاتی، کچن کے وسط میں رکھی مستطیل میز پر برتن لگا رہی تھی..... جس پر مختلف رنگوں اور شکلوں کے کپوان چین دیے گئے تھے۔ اس کا نام لیا نہ تھا مگر تالیہ اس کو ”واتن“ Datin کہتی تھی۔ (مالے اپنی دادی کو تعظیم اداتن کہم کے مخاطب کرتے ہیں۔)

دفعہ سیڑھیوں پر آہٹ ہوئی تو اس نے چچی کا نئے سجائے گردن اٹھا کے دیکھا۔

تالیہ سیڑھیاں اترتی چلی آ رہی تھی۔ کندھوں تک آتے سیاہ سیدھے بال گیلے تھے اور چہرہ دھلا دھلا دیا، نکھرا ہوا تھا۔ آنکھوں کے بزر لینزا تار کے پھینک دیے تھے تھبھی وہ سیاہ نظر آ رہی تھیں۔ وہ شب خوابی کے لباس کے طور پر پہنے جانے والی رفتائی شرت اور ٹراوڑ میں ملبوس تھی مگر یہ نگ پر ہاتھ رکھ کے، گردن اٹھائے، کندھے سیدھے رکھے، نیچے اترنے کا انداز شاہانہ تھا۔ سیڑھیوں کے اختتام پر تالیہ مراد رکی۔ آنکھیں بند کیں اور چھوٹی سی ناک سے سانس اندر کھینچی۔ پھر آنکھیں کھول کے مسکرا دی۔

”میرا فیورٹ سی فوڈ اور سوٹی!! ہے نا؟“

”ہاں۔ یہ سب میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔“ داتن نے کسی شیف کی طرح سینے پر ہاتھ رکھے، گردن جھکا کے کہا۔ تالیہ رکی۔ آنکھوں میں ستائش ابھری۔ ”واقعی؟“

”ظاہر ہے، نہیں۔ تمہارے پسندیدہ ریسٹوران سے آرڈر کیا ہے۔“ داتن نے ہننوں اچکا کے شان بے نیازی سے کہا اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ تالیہ نہس دی۔ ”تم بھی نا۔“ سر جھکتے ہوئے اس نے دوسری کرسی پہنچی۔ اب وہ دونوں مدھم روشنیوں میں... بوم بیوں سے بھی میز پر آئنے سامنے بیٹھی تھیں۔

”اب تنگو کامل کے Scam سے Exit ہونے کا وقت آگیا ہے تالیہ۔ آخری اسٹیپ کب کرنا ہے؟“ داتن نے کھانا نکالتے ہوئے فکر مندی سے پوچھا۔

”ہر اچھے اسکام کا سب سے اچھا اصول یاد ہے، داتن؟ ہر اسٹیپ ایسا ہونا چاہیے کہ وہ سامنے والے کو اپنا آئیڈی یا معلوم ہو۔“ وہ چاول پلیٹ میں نکالتے ہوئے سمجھداری سے کہہ رہی تھی۔ گیلے بال چہرے کے دونوں اطراف سیدھے گر ہے تھے اور پانی کے چند قطرے گالوں پر پڑے تھے نظریں کھانے پر جھکی تھیں۔

”اسٹیپ ون۔ مجھے لیپ ٹاپ کو تلاش کروانے کے بہانے تنگو کامل سے اپنی موجودگی میں لا کر کھلوانا تھا تاکہ میں اس کا کام بینیشن دیکھ سکوں۔ یونو، وہ UL کلاس 360 کا سیف ہے، اور اس کو کھولنے میں بہت وقت لگنا تھا لیکن خوش قسمتی سے اس نے میرے سامنے لا کر کھولا اور میں نے اس کا کام بینیشن معلوم کر لیا۔“

”اس نے تمہیں کوڑ دیکھنے دیا؟“ سوال پتالیہ نے چکتی نگاہیں اٹھائیں۔ اور مسکراتی۔ ”نہیں میں اس کے سامنے کھڑی تھیں اور اس سے لا کر نہیں نظر آتا تھا لیکن اس کے پیچھے بکریک کے گلاس ڈور میں عکس دکھائی دے رہا تھا۔“ وہ کہہ کے خود ہی نہس دی۔ پھر یاد آیا۔ ”مسز کامل کی تمام چیزوں کی میں نے تصاویر تمہیں دی تھیں، تم نے ان کی لفظ تیار کر لی؟“

”کیسے نہ کرتی؟ ایک تصور یا ایک ہزار الفاظ پر بھاری ہوتی ہے، اور وہ زیورات تصاویر میں ہی مجھ سے درخواست کر رہے تھے کہ میں ان کو اپنی ملکیت میں لے لوں۔“ داتن چاولوں کا چیچ بھر بھر کے کھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”اچھا میں بتانا بھول گئی۔ اس میں جو تیارا (تاج) تھا، اس کو ہم نے نہیں چڑا۔ وہ مسز کامل کی والدہ کی نشانی ہے، اور اس کے کھوجانے پر ان کا دل دکھے گا۔“

”مگر تالیہ وہ اچھا خاصا مہنگا ہو گا یا۔“

### Honour among thieves, Datin !“

اس نے انگلی کی مدد سے مچھلی کا تکڑا اٹھاتے ہوئے یاد دہانی کر رہی۔ داتن نے افسوس سے کندھے اچکا دیے۔

”اگلا اسٹیپ۔“ وہ واپس پلان تک آئی۔ ”اور اس کی رات تنگو کامل کے گھر کوئی خاص مہمان آرہے ہیں۔ میں تقریب سے پہلے سیکیورٹی کیمراز ڈسیبل کر دوں گی اور موقعے کا فائدہ اٹھا کے تمام نقطی چیزوں کو ان کے سیف میں ڈال دوں گی اور اصل نکال لوں گی۔ پھر اسی وقت میں کسی مہمان کے ساتھ بد تیزی کروں گی یا کوئی احتیانہ حرکت جس کے اوپر مجھے نوکری سے جواب دے دیا جائے گا۔ یوں ایسا

لگدگا کہ انہوں نے اپنی مرضی سے مجھے نکلا ہے۔ اور چند ماہ تو لگیں گے ان کو اندازہ کرنے میں کہ جو جیولری وہ پہن رہی ہیں وہ نقلی ہے، تب تک میرا نام و نشان بھی وہ لوگ بھلا چکے ہوں گے۔“

”میری **forgeries** اتنی جلدی نہیں پکڑی جاتیں تا یہ۔ یاد ہے وہ اندیشہن ایکسپورٹ جس کی گھڑی چ رائی تھی ہم نے؟ اس نے پورے سال بعد جا کر تھے میں درخواست دی تھی، وہ بھی سنار کے خلاف کہاں نے مجھے گھڑی ہی نقلی بنائے دی ہے۔“ اور وہ دونوں بھی پڑیں۔ دفعتاً داتن کی مسکراہٹ مضمون ہوئی اور اس نے محیت سے اسے دیکھا جوہنستے ہوئے کھانے پر پھر سے چہرہ جھکا گئی تھی۔

”تم خود سے محبت کرتی ہو تا یہ؟“

تا یہ نے روشن آنکھیں اٹھائیں اور مسکرا کے داتن کو دیکھا۔ ”سب سے زیادہ۔“

”مگر تم اپنی عزت نہیں کرتی۔“

تا یہ کی مسکان مضمون ہوئی۔ آنکھوں میں سایہ سا ہرایا۔

”میں ایک Scam آرٹسٹ ہوں داتن۔ اسکام آرٹسٹ۔ یہ ساری دولت میں نے لوگوں کو دھوکہ دے کر.... ان کو لوٹ کر کمائی ہے۔ میں اپنے آپ کو جانتی ہوں۔“

”تم کبھی کسی کو ہرٹ نہیں کرتیں۔ تم لوگوں کا دل نہیں دکھاتیں۔ کسی کو جسمانی ایڈا نہیں پہنچائی۔ ہم صرف میوزیمز اور امیر و کبیر و ائمدوں کو لوٹتے ہیں.... اور پھر ہم وہ ساری دولت غریبوں کو دے دیتے ہیں۔“

”ہیں؟ کون سے غریب؟“ تالیہ حیران ہوئی۔

”لو۔ ہم دونوں سے زیادہ غریب کون ہو گا سارے شہر میں۔ ہم خود پر خرچ کریں تو مطلب یہی ہوا کہ غریبوں پر خرچ کی دولت۔“ تالیہ زور سے بھی نہیں بدلوگی۔ مگر میں تمہاری طرح اپنے کام کو جس دیفائی نہیں کرتی، لیکن مجھے یہ کام بہت پسند ہے۔ اور میں اس زندگی سے بہت خوش ہوں۔“ کہہ کر اس نے گلاں اٹھایا تو داتن نے مسکرا کے اپنا گلاں اس سے نکلرایا۔

”گلڈ گرل!“ پھر اس کا شفاف چہرہ دیکھتے ہوئے وہ گویا ہوئی۔

”سات سال گزر گئے تالیہ.... سات سال پہلے ہم پہلی دفعہ ملے تھے؟“ اس پر وہ اداہی سے مسکرائی۔

”ہا۔ اس سے پہلے میں کتنے مختلف زندگی گزار رہی تھی۔ لا ہور میں اپنے پیرنس..... اپنے فوٹر پیرنس کے ساتھ۔“ وہ موم بیوں کو دیکھ کے آہتہ سے بولی۔ میز پر چنے کھانوں سے اڑتی بھاپ اور موم بیوں کے شعلوں میں بہت سی یادوں گذشتہ ہونے لگی تھیں۔

”تمہیں اپنے اصلی ماں باپ یا نبیں؟“

”نہیں۔ میری پہلی میموری گیارہ سال کی عمر کی ہے۔ آج سے سترہ سال پہلے.... جب میں گیارہ سال کی تھی.... میں کسی راہداری میں

چل رہی تھی....” اس نے آنکھیں بند کیں۔ ”چرچ کے ڈیسک.... میں ان کے درمیان میں سے گزر رہی تھی.... میرا منہ میلا تھا.... لباس پھٹا پرانا تھا.... سینٹ پال چرچ.... ملکا کے.... (یہ شہر کو الپور سے ذرا فاصلے پر واقع ہے۔) ” اس نے آنکھیں کھولیں۔ ” وہیں پر میں پہلی دفعہ اسٹینٹ اتھارٹیز کو بنی تھی۔ انہوں نے مجھے بیتیم خانے میں ڈال دیا، اور وہاں سے ایک کشمیری جوڑا مجھے ایڈاپٹ کر کے لے گیا۔ سب کہتے ہیں کہ میرے بارے میں کبھی کچھ پتہ نہیں چل سکا تھا۔ کون ہوں، کہاں سے آئی ہوں، کوئی ریکارڈ نہیں، کوئی نام نہیں۔ ”

” تمہارا نام کس نے رکھا تھا؟ ”

” بیتیم خانے کی منتظم کہتی ہیں کہ میں نے ان کو اپنا نام تالیہ بتایا تھا۔ تالیہ بنت مراد۔ میرا لباس دیہاتی تھا، اور گندامیلا۔ بس یہ ایک نشان تھا میری گردن پر۔ ” اس نے انگلیوں سے گدی (گردن کے پچھلے حصے) سے نیچے چھوا۔ ” گول سانشان جیسے کسی نے آگ سے داغا ہو جیسے کوئی میٹھا ہو۔ کوئی مہر ہو۔ شاید کوئی حادثہ ہوا تھا میرے ساتھ جو میں ہر شے بھول چکی تھی۔ ” وہ عام سے انداز میں بتا رہی تھی۔

” تمہیں کوئی لینے بھی نہیں آیا؟ ”

” انہوں۔ ” اس نے چاول کھاتے ہوئے گردن دائیں باکیں ہلائی۔ ” اس علاقے میں دور دور تک کسی کا بچہ نہیں کھویا تھا۔ کسی نے مجھے ” افہوں۔ ” اس نے چاول کھاتے ہوئے گردن دائیں باکیں ہلائی۔ ” اس علاقے میں دور دور تک کسی کا بچہ نہیں کھویا تھا۔ کسی نے مجھے Claim ہی نہیں کیا۔ ”

” لیکن تمہارے فوسر پیرنس تو بہت بڑے نہلے۔ ” داتن ناپسندیدگی سے بولی تھی۔ تالیہ کے لبou پر ادا مسکراہٹ بکھر گئی۔

” ہاں انہوں نے مجھے ایڈاپٹ تو کر لیا کیونکہ یہاں جا ب تھی ان کی اور ان کو ایک نوکرانی چاہیے تھی، لیکن یہاں پھر بھی وہ بہتر تھے۔ پاکستان جا کر انہوں نے مجھے واقعًا ملازمہ بنالیا۔ اگر بچپن سے مجھے پیسوں اور کھانے کے لئے چھوٹی چھوٹی چوریاں اور بڑے بڑے جھوٹ نہ بولنے پڑتے تو میں شاید ایسی کبھی نہ ہوتی۔ ”

” چلو، کم از کم یہاں آ کر ان کی نوکری سے تو جان چھوٹی تمہاری۔ ”

” وہ بھی اس لیے کہ میں ان کی بیٹیوں کے رشتے کی راہ میں رکاوٹ بن رہی تھی۔ اس نے انہوں نے میرج بیورو سے جو پہلا رشتہ ملا، مجھے نہیں دیا۔ مگر میں بھی خوش تھی داتن کیونکہ رشتہ ملائیشیا کا تھا۔ یونو.... جان چھٹ جاتی اس فیملی سے۔ خوش شکل لڑکا تھا.... اتنا امیر... اسکا نپ پر نکاح ہوا.... میں کتنی بے قوف تھی نا۔ ” وہ پھر سے ہنسی.... ” مجھے لگتا تھا یہاں آ کر میں خوش ہو جاؤں گی کیونکہ یہ میرا ملک ہے۔ ٹھیک ہے مجھے اپنا آپ لا ہوئی لگتا رہا ہے ہمیشہ مگر میری اصل قوم تو مالے تھی نا۔ اور انہی خوابوں کے ساتھ میں یہاں آئی تھی۔ لیکن ایئر پورٹ پر.... ” اس کی آنکھوں میں تکلیف سی اہر انی۔ کانٹا پلیٹ میں گرا دیا۔ داتن خاموشی اور ادای سے بہت دفعہ کی سنی ہوئی کہانی سننے لگی۔

” ایئر پورٹ پر اترتے ہوئے پہلی دفعہ میں نے پہلا وڑن دیکھا تھا۔ جاگتی آنکھوں سے پہلا خواب۔ جیسے ایک دم آنکھوں کے سامنے منظر بدل جائے اور ایک منظر سا چلنے لگے۔ مجھے وہ وقت کبھی نہیں بھولتا۔ ” میں نے دیکھا کہ میں ایک بھاری تھیلا کندھے پر اٹھائے کانٹوں پر چلتی جا رہی ہوں جس میں سے سونے کی اشوفیاں جھلک رہی ہیں۔ بس لمحے بھر کا منظر تھا اور غائب۔ وہ مجھے رسیو کرنے آئے والا تھا۔

میرا کانفرنسی شوہر اور میں ائیر پورٹ کے وسط میں ہر کارکا کھڑی تھی۔ اور تم داتن..... تم تب ائیر پورٹ پر ملازم تھیں۔ ایسی ہی موئی اور کامی سی تھیں۔ مگر دکھی سی۔ میں گرنے لگی۔ تم نے مجھے سہارا دیا۔ مجھے باتھر و مکان تک لے گئیں۔ پانی پالایا۔ یاد ہے میرے ہاتھ کا نپر ہے تھے۔ میں نے تمہیں وہیں روک لیا۔ اور اپنا بیگ دیکھا۔ وہ بری میں آیا تھا اور اس کا نپر سے میاں صاحب کا حکم جاری ہوا تھا کہ یہی بیگ ضرور ساتھ لاوں۔ بس ایک بیگ۔ میں نے وہیں اسے کھولا تھا۔ تمہارے سامنے۔۔۔ اور یاد ہے اس میں کیا تھا؟“ وہ زخمی سامسکرائی۔

”نلوں کے بندل!“

”میں کتنی بے قوف تھی۔ منی لانڈر نگ کی کوریئر گرل کے طور پر استعمال ہو رہی تھی اور مجھے معلوم بھی نہ ہوا۔ کب میرا بیگ لا ہو رہا ائیر پورٹ پر تبدیل ہوا، کوئی ہوش ہی نہیں تھا مجھے۔ اگر تم اس وقت میری مدد نہ کرتیں اور اس بیگ کے ساتھ ائیر پورٹ سے نکلنے میں میری مدد نہ کرتیں تو میں پتہ نہیں کہاں ہوتی۔“

”میرا کیا کام تالیہ۔ میں تو خود اولاد کے ہاتھوں اولڈ ہوم کی طرف دھکیلی جانے والی عورت تھی۔ بڑی دکھی رہتی تھی میں ان دنوں۔ ہائے۔“ اسے اپنے دکھ یاد آگئے۔ ”لیکن یہ تمہاری آنکھیں تھیں جن پر میں نے بھروسہ کیا۔ ان کی چمک مجھے پتی لگی اور مجھے محسوس ہوا کہ تم بے قصور ہو۔ ویسے کتنی زیادہ رقم تھی تا اس بیگ میں یاد ہے تالیہ، کاش رکھ لیتے۔“

”کیسے رکھ لیتے، موئی خاتون؟“ وہ غصہ ہوئی۔ ”اسی رقم کو حر پہ بنا کر تو ہم نے میرے اس شوہر کو ڈھونڈا اور اس سے طلاق کے پیپر زلنے تھے۔ مگر خیر۔۔۔“ اس نے آخری نوالہ لیتے ہوئے گہری سانس لی۔ ”اس فراڈ آدمی نے مجھے ایک سبق تو سکھا دیا تھا کہ پیسے کمانے کے لئے کسی کو دھوکہ کیسے دیا جاتا ہے۔ اور دیکھو آج چھوٹی بڑی چوریاں کر کے ہم کہاں پہنچ گئے ہیں۔ انٹرنیٹ اسکام سے شروع کیا گیا سفر آج ہمیں کتنا بڑا اسکام آرٹسٹ بنا چکا ہے۔“ (اسکام آرٹسٹ بنیادی طور پر وہ لوگ ہوتے ہیں جو لوگوں کے لائق کو ان کے خلاف استعمال کر کے ان سے مال لوٹ کر فرار ہو جاتے ہیں۔ اور عموماً ایسے کاموں کے کرنے کا لائق دیتے ہیں جو قانونی نہیں ہوتے یعنی دھوکہ کھانے کے بعد لوٹا گیا شخص پولیس کے پاس نہیں جا سکتا۔ جیسے کسی بندے کو قتل کرنے کے لیے پیسے ایڈ و انس میں بٹورنا اور پھر غائب ہو جائنا۔)

”تمہیں ملائیشیا آنے سے پہلے کبھی اس طرح وژن یا سچے خواب نہیں نظر آئے تھے تالیہ؟“

”نہیں۔ پہلی دفعہ ائیر پورٹ پر ہی نظر آیا تھا اور پھر کبھی وہ سلسلہ تھا ہی نہیں۔“

”اگر تمہارے خواب اور وژن ہمارا ساتھ نہ دیتے تو ہم اتنا کچھ نہیں کہا سکتے تھے تالیہ۔ تم ایک Clairvoyant (جن کو مستقبل نظر آتا ہے) ہو۔ ایک Seer۔ تمہیں وقت سے پہلے بارش نظر آ جاتی ہے، کسی کی موت و کھانی دیتے گئی ہے۔۔۔ کوئی حادث۔۔۔ کوئی آفت۔۔۔ مگر ان سارے چھوٹے چھوٹے وژن اور خواب ایک طرف۔۔۔ اگر تم ان سات سالوں میں وہ دس بڑے خواب نہ دیکھتی تو ہم اتنے امیر نہ ہوتے۔“

”گیارہ!“ تالیہ نے نیچکیں سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے صحیح کی۔ ”منگو کامل کو اپنا لیپ ٹاپ اور زیورات لا کر سے نکالتے دیکھا تھا میں

نے خواب میں..... تین ماہ پہلے..... جس کے بعد ہم نے اس پا کام کرنا شروع کیا تھا، اور میں نے اس کے گھر ملازمت حاصل کی..... اس کو ملا کے گیا رہ خواب ہوئے جو میں نے دو تین دوں کی تجویز یوں اور میوزیز کی قیمتی پینٹنگز اور آرٹ ورک کے بارے میں دیکھے تھے۔ جیسے قسم مجھے خود بتا دیتی ہے کہ تالیہ فلاں کے لا کر میں یہ سب رکھا ہے، اسے چوال۔ اور دس دفعہ ان کی مدد سے ہم نے کتنی دولت کمائی۔ اب دیکھو، گیا رہ ہویں دفعہ کامیاب ہوتے بھی ہیں یا نہیں۔ لیکن داتن.....، اس نے گھری آہ بھر کے چھت پر گلی بیوں کو دیکھ کے کہا۔ ”میں ایک بات سوچ رہی ہوں۔“

”کیا؟“

”میں اگلی دفعہ کوئی بڑی..... heist کرنا چاہتی ہوں۔ کوئی لمبا ہاتھ۔ ایک آخری جاپ، جس سے کروڑوں کمالیں ہم اور پھر میں اس کام کو چھوڑ دینا چاہتی ہوں۔ پچھلے تین ماہ میں نے ایک بچی مگر بے وقوف لڑکی کا کردار کیا..... اپنے اصل نام کے ساتھ۔ مگر ان سب لوگوں سے اتنے اچھے الفاظ سن کر میرا دل چاہنے لگا ہے کہ میں یہ کام چھوڑ دوں۔ ایک آخری فراڈ..... ایک آخری چوری کے بعد..... وہ چھت پر لٹکتے یہ پکو دیکھتے ہوئے مسکرا کے بولی تھی۔ اس کی چمکتی آنکھوں میں امید تھی، خوشی تھی۔ سادگی تھی۔

”تالیہ!“ داتن بخیدگی سے آگے کوچکھی۔ ”پلان کیا گیا گناہ کبھی آخری گناہ نہیں بن سکتا۔ جس جرم سے پہلے تم سوچ لو کہ اسے آخری دفعہ کرنے جا رہی ہو وہ جرائم کی زنجیر کی محض اگلی کڑی ہوتا ہے۔ اگلی چوری، اگلا گناہ۔ اس کے بعد مزید ایک اور ہو گا۔ پھر مزید ایک اور۔ جو لوگ چھوڑتے ہیں نا گناہ وہ پچھلے گناہ کو آخری گردن کے چھوڑتے ہیں۔ لیکن میرے اور تمہارے جیسے لوگ..... تالیہ ہم چور ہیں اور ساری عمر یہی رہیں گے۔ ہم نہیں بدل سکتے۔ انسان نہیں بدل سکتے۔“

تالیہ نے نگاہیں داتن کی طرف موڑیں تو ان کی جوت بچھی تھی۔ ”ہم جب چاہیں یہ کام چھوڑ سکتے ہیں۔ ہم اچھے ہو سکتے ہیں۔“

”ہم پہلے ہی بہت اچھے ہیں تالیہ۔ مگر ہم اس کام کو کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔ ہماری زندگیوں میں جھوٹ اور دھوکے بازی اس طرح رج بس

گئی ہے کہ ہم چاہیں بھی تو نہیں بدل سکتے۔ ہم نے ہمیشہ اسی طرح رہنا ہے۔“

”اوکے! پھر میں اسی طرح خوش ہوں۔“ اس نے گھری سانس لے کر شانے اپکائے۔ پھر نیکین سے ہونٹ تھپٹھپائے۔ ”اب میں سونے جا رہی ہوں۔ صبح کام پر بھی جانا ہے۔ ویسے نوکرانی بننا بہت ہی روکھا پھیکا کام ہے۔“ وہ قدرے نزدیک پن سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ داتن نے مسکرا کے اسے شب بخیر کہا۔ تالیہ جانے ہی لگی تھی کہ ٹھہری۔ آنکھوں میں شرارتی چمکی۔ لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا۔

”میں نے کل رات ایک خواب دیکھا!“

” داتن نے اطمینان سے اسے دیکھا۔ ”کالوں میں کون مر نے والا ہے؟ کس کا کتاب جانے والا ہے؟ کون اپنی بیوی کو دھوکہ دینے والا ہے؟“

”نہیں۔“ وہ نچالاب دبا کے ذرا سی بھسی۔ ”میں نے خود کو دیکھا۔ میں دو دریاوں کے درمیان بیچھر میں کھڑی ہوں اور میرے سامنے ایک

آدمی کھڑا ہے۔ وہ کہہ رہا ہے کہ اسے نیری ضرورت ہے اور مجھے اس کی..... اور یہ کہ میں اس کے ساتھ رہوں۔ ” داتن جو دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی آخر میں مایوسی نظر آئی۔ ” اس میں اتنا خاص تو کچھ نہیں تھا۔ ”

” کیونکہ میں نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ وہ آدمی کون تھا۔ ”

” کون تھا؟ ” وہ چوکی۔ تالیہ نے اب انگلی دانتوں میں دبائی تھی اور کچھ یاد کر کے وہ پھر سے بنسی تھی۔

” وہ مجھے کہہ رہا تھا..... کہ میں اس کے ساتھ رہوں.... اف.... اف۔ ” اس کے چہرے پر رنگ آ کے بکھرے تھے۔ داتن نے اچھے سے بھنوں لکھنچیں۔

” مگر وہ تھا کون؟ ”

” اونہوں۔ اگر میں نے تمہیں بتا دیا تو تم مجھ پر بنسوگی۔ ایسا آدمی میرے خواب میں.... اف۔ ”

” او ہو کچھ تو بتاؤ۔ تم جانتی ہو اے؟ ” پھر وہ چوکی۔ ” شاید تم اے پسند بھی کرتی ہو! ”

” جانتی ہوں؟ پسند کرتی ہوں؟ ” وہ جیسے مظوظ ہوئی۔ ” پیاری داتن.... اس کو سارا ملائیشیا جانتا ہے.... اور پسند؟ اونہوں۔ اس سے سارا ملائیشیا عشق کرتا ہے، عشق! گذناہٹ۔ ” اور وہ بیٹھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ داتن اسے پکارتی رہ گئی مگر اب وہ ہاتھ ہلاتی، سرفی میں ہلاتی زینے چڑھتی جا رہی تھی۔

” کون ہو سکتا ہے؟ ” وہ اپنے موٹے موٹے ہاتھوں پر چہرہ گرائے مشکوک نظروں سے اسے جاتے دیکھے گئی۔

☆☆=====☆☆

دو دریاوں کے سلسلہ پر وہ دونوں اسی طرح کھڑے تھے۔ بارش ترا تربرس رہی تھی۔ وہ دونوں بھیگے ہوئے تھے۔ پاؤں بیکھڑ میں پھنسنے ہوئے تھے۔ وہ اپر دیکھ رہی تھی جہاں سرخ پرلوں اور سنہری ٹانگوں والا پرندہ اس آدمی کے سر کے عین اوپر فضا میں چکر کاٹ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں نیلے ہیروں کی طرح چکر رہی تھیں۔

” میرے ساتھ رہو۔ ” آواز پر تالیہ نے نظریں پھیریں۔ سنہری بال موٹی گلی لٹوں کی صورت چہرے کے اطراف میں گر رہے تھے۔

” میرے ساتھ رہو۔ ” وہ اب تائی نوچ کے اتار رہا تھا۔ پھر اس نے اپنی شرٹ کا کف کھولا۔ اور آستین پیچھے موڑی۔ نظریں تالیہ پر جمی تھیں۔ اسی طرح اس نے دوسری آستین تھہ کی۔ پھر زمین پر جھکا اور مٹی میں کچڑاٹھایا اور سیدھا ہوا۔ مٹھی اس کی طرف بڑھائی۔ تالیہ نے دیکھا.... اس کی ہتھیلی میں بیکھڑ کے اور اپر ایک سنہری چابی دمک رہی تھی۔

” میرے ساتھ رہو۔ ” وہ اس سے کہہ رہا تھا۔

ایک جھٹکے سے اس کی آنکھ کھلی۔

بیدروم میں انڈھیرا تھا۔ تالیہ نے چند لمحے پلکیں جھپکا کے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر اسی طرح لیئے آنکھیں بند کر دیں اور دوبارہ سے سوگئی۔ چند گھنٹے بیتے اور صبح پوری طرح پھیل گئی۔ لا و نج خاموش پڑا تھا۔ اوپن کچن کی میز پر ناشستہ ششی کے بر تنوں میں ڈھکا ہوا گا پڑا تھا۔ وہ زینے اترنی نیچے آئی تو ملازمہ کے یو نیفارم میں ملبوس تھی۔ آنکھیں بزر تھیں۔ اور چہرے پر بلا کی مسکینیت طاری تھی۔ لا و نج میں رک کے اس نے ادھر ادھر گردن گھمائی۔ ”واتن؟“

”نیچے ہوں۔“ آواز پر وہ گہری سانس لیتی ایک دروازے کی طرف آئی۔ دیوار میں نصب چوکھے پر اپنا انگوٹھا رکھا۔ خود کار آ لے نے اس کی تشخیص کی اور دروازہ کھل گیا۔ آگے سیرھیاں تھیں جو مزید نیچے جاتی تھیں۔ وہ زینے اترنے لگی۔

نیچے کھلا سا کمرہ تھا۔ دیواروں پر مختلف پینٹنگز اور آرٹ ورک سجا یا گیا تھا۔ چند ڈبے بندر کھے تھے۔ وسط میں بڑی میز تھی جس پر چند مشینیں پڑی تھیں اور واتن حفاظتی گلائز لگائے، گلوز پہنے ایک گن نما آ لے سے ایک نیکلیں پر کام کر رہی تھی۔

تالیہ اس کے قریب آر کی اور تنقیدی نظروں سے سارے زیورات کو دیکھا۔ پھر ایک انگوٹھی کو اٹھا کے اور پروشنی میں کر کے دیکھنے لگی۔ ”پرفیکٹ۔“ اس نے انگوٹھی واپس ڈال دی۔

”بس یہی زیورات ہیں ممزکامل کے پاس؟“ واتن نے ایک نظر ان جھوڑے سے زیورات کو دیکھ کے کہا۔

”ہاں... لا کر میں کل چودہ *Pieces* ہیں۔ تاج کی نقل نہیں تیار کرنی۔ میں باقی تیرہ پیس اٹھاؤں گی۔“ وہ کہہ کے جانے لگی۔

واتن جو زیور پر جھکی تھی، چونکے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ ”چودہ کیسے؟ تم نے صرف تیرہ کی تصاویر بھیجی تھیں۔ تاج نکال دو تو پیچھے بارہ نج گئے۔“

تالیہ ٹھہری۔ واپس گھوٹی۔ زیورات سامنے پڑے جگہ گارہے تھے۔ پھر سے ان کو گنا۔ ذرا سی ابھی۔ ”نیکلیں، کڑے، بندے، انگوٹھیاں۔ یہ ہوئے بارہ پیس۔ مگر ممزکامل کے تمام زیورات جو لا کر میں تھے میں نے ان کی گنتی کی تھی تو وہ چودہ پیس تھے۔“

”تم نے پہلی دفعہ لا کر اندر سے کب دیکھا تھا؟“

”ایک ماہ پہلے جب میں نے ممزکامل کی انگوٹھی چھپا دی تھی اور ان کو میرے سامنے لا کر کھولنا پڑا تھا،“ تب میں نے سارا لا کر دیکھا تھا۔ کوڈ اس لئے نہیں دیکھ سکی تھی کہ مجھے انہوں نے لا کر کھولنے کے بعد بلا یا تھا۔“ وہ الجھ کے انگلیوں پر گئنے لگی۔ ”کل بھی جب تنگو کامل نے میز پر زیورات کے ڈبے رکھنے میں نے گئے تھے، دوپاٹج... تیرہ...“ وہ بڑی راتے ہوئے گئنے لگی۔ مگر گنتی پوری نہیں پڑ رہی تھی۔

”ہو سکتا ہے تم بھول رہی ہو۔ ٹوٹیں تیرہ ہی ہوں۔“

”تالیہ کچھ نہیں بھلوتی۔“ وہ تیزی سے آگے بڑھی اور ایک دراز کھولا۔ چند کاغذ اٹھائے پلٹائے۔ ایک فولڈر نکالا۔

”جب ممزکامل نے میرے سامنے لا کر سے زیور نکالا تھا تو میں نے اپنے بلاوز بٹن کے کھمرے سے اس کی ہائی کوائی تصاویری لی تھیں۔“ وہ فولڈر کھولتے ہوئے صفحے تیز تیز پلٹا رہی تھی۔

”اور تم نے مجھے تیرہ تصاویر دی تھیں تالیہ۔ وہ میرے گھر پڑی ہیں۔“

”میرے پاس اور بھل ہوں گی۔ ایک منٹ۔“ اس نے وہ فوٹو رکھا اور ایک دوسرا نکالا۔ پہلا صفحہ کھولا تو بوس سے گہری سانس خارج ہوئی۔ ”یہ لو۔۔۔ یہ رہی تمام تصاویر۔ ان کو ٹیکلی کرو۔ ہم نے کون ساز یور مس کر دیا ہے۔“

واتن گھوم کے اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔ عینک اتار دی اور اب وہ دونوں باری باری تمام پرنٹ آؤٹس متعلقہ زیورات کے ساتھ رکھ رہی تھیں۔۔۔ پانچ۔۔۔ آٹھ۔۔۔ بارہ۔۔۔ تیرہ۔۔۔

”اوہ!“ آخری پرنٹ آؤٹ سے متعلق کوئی زیور انہوں نے نہیں بنایا تھا۔ اسے دیکھتے ہی تالیہ کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔

وہ گھڑی کے باکس کے جیسے شیشے کے ڈبے میں رکھا ایک شہری سکے تھا۔ پرنٹ آؤٹ پر اس باکس کی آگے پیچھے سے چار تصاویر لی گئی تھیں۔

”یہ کوئی لٹھیک ہے۔“ واتن قدرے جوش سے جھکی مگر تالیہ نے بے دلی سے کاغذ پرے کر دیا۔

”اوپر دیکھو کیا لکھا ہے۔“ مظفر شاہ۔ یہ ملا کہ سلطنت کے سلطان مظفر شاہ کے زمانے کا سکہ ہے۔ تنگوں کا مل کو آرٹ اور ہشٹری میں خاصی دلچسپی ہے۔ اس لیے انہوں نے اس کو سنبھال رکھا ہے۔“

”مگر ہم اسے کیوں نہیں چرارہے۔“

”کیونکہ مظفر شاہ کے سکے آج کل کوalaپور کے ہر مال سے ملتے ہیں اور سارے نقلی ہوتے ہیں۔ ابھی ان کے کونے کھر چوتو سفیدرنگ نکلنے لگے گا۔ اور یہ بھاری ہوتے ہیں۔ جبکہ اصلی سکے اتنی lagging or oxidation کے باعث ہلکے ہونے چاہئیں۔ بالفرض یہ اصلی بھی ہو تو اتنی ویلیوں نہیں ہے ان کی۔ رہنے والے بھاری ہوں گے۔“

واتن نے ایک دوسرا عینک اٹھائی اور اسے تاک پر جما کے غور سے کاغذ پر چھپی تصویر کو دیکھنے لگی۔

”یہ واقعی اصلی سکے نہیں ہے۔“ وہ ناپسندیدگی سے بولی تھی۔ آج کل کے Forgers کو خدا کا کوئی خوف نہیں۔ ٹھیک ہے میرے جیسے اعلیٰ درجے کے نقلے نہیں تراش سکتے وہ میں جانتی ہوں لیکن نقلی سکہ تیار کرتے وقت انسان کو چاہیے کہ ایک دفعہ اصلی سکہ بھی دیکھ لے کیونکہ مظفر شاہ کے اصل سکوں پر ایک طرف ”مظفر شاہ ال سلطان“ اور دوسرا طرف ”نصیر من الدنیا وال دین“ (دنیا اور دین میں مددگار) لکھا ہوتا ہے۔ اس پر دونوں طرف مظفر شاہ ال سلطان لکھا ہے۔“

واتن کے آخری نظرے پر وہ مخدود ہو گئی۔ پھر اتنی تیزی سے گردن موڑی گویا بر فوجھنی ہو۔

”دونوں طرف مظفر شاہ لکھا ہے؟“ اس نے کاغذ واتن کے ہاتھ سے جھپٹا۔ اور اس پرے قرار نگاہیں دوڑا کیں۔

”میں نے ایسا سکہ پہلے بھی دیکھا ہے۔ ہماری ایک واردات والی جگہ پر یہ تھا۔ مگر میں نے اسے تب بھی چھوڑ دیا تھا۔“

”ہاں مجھے یاد ہے۔ نیشنل ہشٹری میوزیم میں۔ ہے نا؟ میں نے بھی دیکھا تھا۔“ تالیہ نے چونکے اسے دیکھا۔

”نہیں.....میں نجیب بن سلامت کی بات کر رہی ہوں۔ پچھلے سال جب میں نے اس کی پرائیوٹ آرٹ کلیکشن کے بارے میں وثائق دیکھا تھا اور ہم نے ان کے ذاتی سیف میں نایاب لٹشیک برتن چڑائے تھے۔ تب ایسا سکہ وہاں بھی تھا۔“

”یقیناً ہو گا مگر تین سال پہلے جب تمہارے ہی ایک خواب پر ہم نے نیشنل ہسٹری میوزیم والی واردات کی تھی، تب یہ وہاں ڈپلے تھا۔ مگر میں نے اسے نظر انداز کر دیا تھا۔“

تالیہ نے کریکٹ پینچی اور وہیں بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں شدید ابھسن تھی۔

”کیا سوچ رہی ہو؟ ایک جیسے بہت سے سکے مار کیٹ میں ہوتے ہیں۔“

”نہیں۔ پچھلاطہ ہے اس سب میں۔“ اس نے فتحی میں سر ہلاایا۔ ”ہمارے سامنے یہ سکے تیسری دفعہ آرہا ہے مگر ہم نے اسے نہیں چڑایا۔“

”ہم واردات کی جگہ سے چند چیزیں ہی چڑاتے ہیں، ہر چیز تو نہیں اٹھا سکتے ناتالیہ۔“

”بات نہیں ہے۔ مسلکہ یہ ہے کہ پچھلے سال ایسا ہی سکہ نجیب بن سلامت کے پاس تھا۔ اس کا باس بھی یہی تھا۔ داتن... داتن... نجیب بن سلامت ہماری وجہ سے دیوالیہ ہو گیا تھا اور اس نے اپنی بہت سی آرٹ کلیکشن کو آکشن پر ڈال دیا تھا۔ اس کا ریکارڈ پیک ہو گا ذرائع معلوم کرو یہ سکے اس آکشن میں تھا یا نہیں؟“

”مگر کیوں؟“

”کیونکہ تنگوں کا مل اور نجیب بن سلامت دوست ہیں اور میں نے مزکا مل سے نا تھا کہ جب نجیب پر اوقت آیا تھا تو تنگوں کا مل نے اس کی مدد کی تھی۔ اس کی آکشن سے کوڑیوں کے بھاؤ ملنے والی چیزیں مہنگی خرید کے۔ پچھلے پینٹنگز اور....“ اس نے کاغذ اٹھا کے دیکھا۔ ”شاید یہی سکے۔“

”تمہارا مطلب ہے کہ یہ ایک جیسے بہت سے سکے نہیں ہیں بلکہ یہ ایک ہی سکہ ہے جو بار بار تمہارے خواب میں آتا ہے؟“

”ہاں۔ میرے گیارہ خواب.... بلکہ بارہ.... ان میں سے تین میں یہ سکہ تھا۔ شاید مزید میں بھی ہو مگر اس کے ساتھ رکھے جواہرات، زیورات، پینٹنگز اور نادر اشیاء نے میری آنکھوں کو ہمیشہ اتنا خیرہ کر دیا کہ میں نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔“ وہ حیران پریشان نظر آرہی تھی۔

”میں اس سکے کا ریکارڈ ٹریس کرنے کی کوشش کرتی ہوں، لیکن اگر تم یہ کہہ رہی ہو کہ یہ ایک سکہ پچھلے کئی سال سے ایک شخص سے دوسرے کی تحویل میں جا رہا ہے اور قسمت تمہیں بار بار خواب میں اشارہ دے رہی ہے کہ اسے حاصل کرو تو یہ بہت عجیب بات ہے۔“

”مگر وہ سن سی خلاء میں دیکھ رہی تھی۔“ ”میں ہمیشہ اپنے خوابوں کی تعبیر غلط کرتی ہوں۔ کسی کو پانی میں ڈوبتے دیکھوں تو سمجھتی ہوں وہ مرنے والا ہے مگر چند دن بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس کو کوئی اعلیٰ تعلیمی کامیابی ملی ہے کیونکہ پانی ”علم“ کا سبب ہے۔ کسی کا زیور چوری ہوتے دیکھوں تو سمجھتی ہوں کہ اس کے ہاں ڈاکہ پڑنے والا ہے مگر اس کو طلاق ہو جاتی ہے۔ اور وہ گروہی اسٹور والی روز میری.... میں نے دیکھا اس کے

باز و میں سونے کا نیا کڑا ہے تو میں نے تمہیں کہا تھا کہ وہ امیر ہونے والی ہے مگر اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ غریب وہ ابھی بھی ویسی ہے۔ میں ہمیشہ اپنے وزن یا خواب کی غلط تعبیر کرتی ہوں مگر ان بارہ خوابوں کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ وہ میں نے درست سمجھے ہیں کیونکہ انہی کی وجہ سے ہم امیر ہوئے لیکن شاید وہ بھی میں نے غلط سمجھے تھے۔ ”اس کی رفتار تاریک پڑ رہی تھی۔“ داتن کو افسوس ہوا۔

”تم کام پہ جاؤ میں اس سکے کوڑ لیں کرتی ہوں۔“ اس نے اس کا سر تھپک کے تسلی دی تو وہ بے ولی سے اٹھی اور سر ہلا دیا۔ پھر ٹھہری۔ ”میں اتنے سال سمجھتی رہی ہوں کہ میری تقدیر مجھ سے یہی سب کچھ چاہتی ہے کہ میں چوری کروں۔ یہاں دیکھ کو دیکھنے کا تھنہ مجھے اسی لئے ملا ہے لیکن شاید ایسا نہیں تھا۔ شاید میں نے اس تھنے کو غلط استعمال کیا۔“ اس کی آنکھ کا کنارہ بھیگ گیا۔

”تالیہ۔“ داتن نے آگے بڑھ کے اسے شانوں سے تھاما۔ ”ہم اس سکے کوڑ ہووند لیں گے اور اس کو حاصل بھی کر لیں گے۔“ تم فکر کرو۔ اب کام پہ جاؤ اور مجھے میرا کام کرنے دو۔“ تالیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا اور ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رکڑ لیں۔ اسے کام سے دیر ہو رہی تھی۔

☆☆=====☆☆

تنگو کامل کی رہائش گاہ پر صحیح صبح سے روز مرہ کے کام شروع ہو چکے تھے۔ کچن میں تالیہ اور ایک دوسری ملازمہ کھڑی کام میں مصروف تھیں۔ ٹلر ٹرالی کو اپنی نگرانی میں سیٹ کروارہا تھا اور ساتھ میں فون پر بات بھی کر رہا تھا۔ ایسے میں تالیہ بے دھیانی سے جگ میں جوں اندھیل رہی تھی۔ چہرے پر ابھی تک وہی الجھن چھائی تھی اور راتھست پڑ رہے تھے۔ مارے باندھے اس نے جگ کوڑے میں رکھا اور آگے بڑھ گئی۔

ڈائینگ ٹیبل پر تنگو کامل سر برائی کری پڑیٹھے خوش مزاجی سے دائیں ہاتھ جلوہ گراپنی بیوی سے مخون گفتگو تھے۔ بچے بھی ناشتہ کر رہے تھے۔ ایسے میں وہ جوں لے کر آئی تو دونوں میاں بیوی نے خوشگوار مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

”کیسی ہوتا یہ؟ اور تمہارے گھروالے کیسے ہیں؟“

”ٹھیک ہیں سب۔ تھیک یوسر۔“ اس نے ادب سے سر جھکایا۔

”میں بیگم سے کہہ رہا تھا کہ اس ماہ سے تالیہ کی تغواہ بڑھا دی جائے۔“

”شکر یہ سرا!“ وہ مصنوعی مسکراہٹ اور شکر کے ساتھ بولی۔ اور ان کے گلاں میں جوں ڈالنے لگی۔

”تالیہ مجھے مار کیٹ جانا ہے۔ تم میرے ساتھ آؤ گی۔“ مسز کامل نے کہا تو اس نے سر کو ادب سے خم دیا۔ اور کچن میں آگئی تاکہ جلدی جلدی کام نپنالے۔

”آخر جمعے کو آکون رہا ہے جس کے استقبال کے لیے اتنی تیاری ہو رہی ہے؟“ وہاں کھڑی دونوں ملازمائیں نور اور تنیم آپس میں بات کر رہی تھیں۔ پھر اس سے بھی پوچھا۔ ”تمہیں کچھ معلوم ہے تالیہ؟“

”نہیں۔“ وہ سادگی سے کہہ کے برتن دھونے لگی۔ (میرے جیسی رچ گرل اس وقت ان کے جھوٹے برتن دھورنی ہے، مجھے فی الحال یہی معلوم ہے۔) جلتے دل کے ساتھ اس نے سوچا تھا۔

کے ایل کا وہ بازار شام کے وقت متوسط طبقے کے لوگوں سے بھرا ہوا نظر آتا تھا۔ بھانت بھانت کی بولیاں۔ مختلف وضع قطع کے لوگ۔ اکثریت چینی نقوش والے افراد کی تھی اور خواتین کی ایک بڑی تعداد کس کے چہرے کے گرد پیٹنے والا جاپ لئے ہوئی تھی جس کو مقامی زبان میں .....tudung۔ کہا جاتا تھا۔ بازار میں سرخ نالکز سے بنی روٹھ تھی اور روٹھ کے دونوں اطراف دکانیں اور ان کے آگے اسالز لگے تھے۔ برآمدوں میں کہیں چھتری تلتے کر سیاں بھی پچھی تھیں اور لوگ کھاپی رہے تھے۔  
ایسے میں تالیہ سامان کے شاپ اٹھائے مزکامل کے پیچھے چلتی جا رہی تھی۔

”جو مہان آرہے ہیں ان کے لیے چاول لے رہی ہوں۔ ان کو اچھا چاول بہت پسند ہے۔“

مزکامل ساتھ میں تصرہ بھی کیے جا رہی تھیں۔ وہ جیسے ان مہمانوں کے آنے پر بہت خوش تھیں مگر ان کا نام کسی وجہ سے نہیں لے پا رہی تھیں لیکن شاید ان کا دل کسی سے شیئر کرنے کو بہت چاہ رہا تھا۔ تالیہ خاموش رہی۔ پھر یونہی پوچھا۔

”بچ بھی آرہے ہیں ساتھ؟“

”نہیں۔ بس دونوں میاں بیوی آئیں گے۔ ویسے ان کے دو بچے ہیں۔“ پھر رک کے صحیح کی۔ ”تین تھے۔ لیکن ان کی بیٹی آریانہ بچپن میں کھو گئی تھی۔ ہمیر لفت سے گری تھی۔ لاش نہیں ملی مگر سب کو یہی لگا کہ وہ مر گئی ہے اس لیے قبر وغیرہ بنادی تھی۔“ پھر وہ چپ ہو گئیں جیسے بہت زیادہ بول گئی ہوں اور ایک دکان کی طرف چلی گئیں۔ وہ گہری سانس لے کر پیچھے آئی۔

مزکامل نے اعلیٰ درجے کے چاول نکلوائے اور ان کو ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگیں۔ تالیہ یونہی ان کے ہاتھوں کو دیکھے گئی۔ یک دم جیسے ساری آوازیں آنابند ہو گئیں۔ مزکامل کے ہاتھوں میں بھرے چاول دیکھتے ہی دیکھتے جلنے لگے۔ بس لمحے بھر میں وہ سب را کھو گئے۔ اور ان کے دونوں ہاتھ کا لک سے رنگے خالی رہ گئی۔

وہ چونکی۔ سماعت کھل گئی۔ آوازیں آنے لگیں۔ اس نے مزکامل کے ہاتھوں کو دیکھا۔ وہاں کوئی را کھنہیں تھی۔ وہ چاول اٹھا اٹھا کے چیک کر رہی تھیں۔ تالیہ نے ایک گہری سانس بھری۔

”میم۔“ اس نے ہولے سے ان کو پکارا۔ ”کل آپ کی کسی دوست کا فون آیا تھا میں بتانا بھول گئی۔“

”کس کا؟ کیا کہہ رہی تھی؟“ وہ چونک کے اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

”نام نہیں بتایا مگر یہ کہا تھا کہ وہ ذرا مصروف ہیں، مگر میں آپ کو بتا دوں کہ آپ صدقہ دے دیں اور آگ وغیرہ سے احتیاط کریں کیونکہ انہوں نے آپ کے بارے میں برا خواب دیکھا ہے۔“

”کیا؟ کیا دیکھا ہے اس نے؟“ وہ بے چین سی ہو کے پوری اس کی طرف گھوم گئیں۔ دونوں اب کاؤنٹر سے ہٹ کے کھڑی تھیں اور

سرگوشیوں میں بات کر رہی تھیں۔

”یہ کہ آپ نے ہاتھوں میں چاول اٹھا کر کے ہیں اور وہ راکھ میں بدل جاتے ہیں۔ شاید آپ کو چوہے اور بیشہ وغیرہ سے احتیاط کرنی چاہیے۔“

”اوہ تم نے اچھا کیا مجھے بتا دیا لیکن کون سی دوست تھی میری؟“

”نام نہیں بتایا لیکن کہتے ہیں برے خواب کا بار بار ذکر نہیں کرنا چاہیے اس لیے بہتر ہے کہ آپ بس صدقہ اور دعا وغیرہ کر دیں۔“ اس نے خوبصورتی سے بات کا رخ پھیرا تو وہ سر ہلاکے رہ گئیں۔ البتہ چہرے پر بے پناہ پریشانی امداد آئی تھی۔

(مجھے لگتا ہے آپ کے ہاتھ جلنے والے ہیں۔ یا آپ کے گھر کو آگ لگنے والی ہے۔ میں آپ کو نہیں بتا سکتی کہ یہ وژن میں نے دیکھا ہے نہ ہی یہ کہ میرے خواب ہمیشہ سچ ہو جاتے ہیں۔ اوہ میرے اللہ... یہ تھنہ نہیں ہے۔ یہ تو ایک curse ہے۔) ان کے ساتھ سر جھکائے بازار میں چلتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔ ساتھ ہی بار بار ان کے ہاتھوں کو بھی دیکھ لیتی تھی۔ گوری کلائی میں انہوں نے خوبصورت سا سونے کا بریسٹیٹ پہن رکھا تھا جس پر نہنے ستارے جھول رہے تھے۔ تالیہ نے یونہی اپنی خالی کلائی کو دیکھا اور پھر ایک دم وہ ٹھٹھک کے رکی۔ ذہن کے پر دے پا یک منظر لے ریا تھا۔

لاکر میں رکھی ڈبی اس میں سجا بریسٹیٹ۔ وہ وہیں سن سی کھڑی رہ گئی۔ ایک دم ساری گھیاں سلچھ گئی تھیں۔ پزل کے بہت سے ٹکڑے اپنے اپنے خانوں میں آگرے تھے۔

☆☆=====☆☆

لاہوری کے اندر مقدس، بار عرب سی خاموشی چھائی تھی۔ اونچے ریکس، کتابوں کی طویل الماریاں... جگہ جگہ بچھی میزوں پر مطالعے میں منہمک سے دکھائی دیتے لوگ... کمپیوٹر کے آگے بیٹھے کام کرتے اشخاص... غرض معمول کا خاموش سماحول تھا۔

ایسے میں دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوتی دکھائی دی۔ اس نے صبح کے ملازماؤں والے لباس کے بر عکس سرخ خوبصورت اور قیمتی فرائک پہن رکھا تھا۔ کہنی پڑیا نہر بیگ تھا اور سر پر سفید کورا ہیٹ جس سے نکتے سیاہ بال کندھوں پر گر رہے تھے۔ دروازے پر وہ رکی، ہیٹ کو ڈائیمنڈ رنگ پہنی انگلی سے تر چھا کر کے سیاہ آنکھیں آس پاس دوڑائیں۔ ایک لاہوریں جو قریب سے کتابوں کی ٹرالی و حکیمتا گزر رہا تھا، اسے دیکھ کر رکا اور جھٹ سلام جھاڑا۔

”السلام علیکم۔ مس ساشنا۔“

تالیہ نے شان بے نیازی سے سر کو خم دیا۔ پھر ادھرا دھر دیکھا تو وہ بولا۔

”مسزیانہ اس طرف ہیں۔“ وہ لہکا سماں کرائی اور اسی طرح انھی گردن کے ساتھ آگے چلتی گئی۔

کونے میں ایک آڈیوروم تھا۔ شیخشے کی دیواروں نے اسے مکمل بند کر رکھا تھا، گویا شیخشے کا کوئی ڈبہ ہو۔ اندر تگنگ سی جگہ پر وہ پھنس کر بیٹھی

سیاہ موٹی عورت دکھائی دے رہی تھی۔ عینک لگائے، بال جوڑے میں باندھے وہ کتابوں میں الجھی ہوئی تھی۔ آہٹ پر اس نے نظریں اٹھائیں تو دیکھا، تالیہ دروازہ کھلوتی اندر داخل ہو رہی تھی۔

”اتنے سالوں سے یہاں کام کر رہی ہو داتن، اور ایک ڈھنگ کا آفس بھی نہیں دیتے یہ تمہیں۔“ وہ مسکراہٹ دبا کے کہتی سامنے کری کھپچ کے بیٹھی۔ پرس میز پر رکھا، اور ہیئت کو مزید تر چھا کیا تو چہرہ اور سیاہ مسکراتی آنکھیں مزید واضح ہوئیں۔

”لیا نہ بہت داش صابری کے پاس اتنی دولت ہے کہ وہ چاہے تو یہ پوری لا بھری خرید لے....، خشگیں نگاہوں سے اسے گھور کے وہ بولی تو تالیہ نے ایرو اونچا اٹھایا۔“ پوری؟“

”چلو.... آہٹی سہی!“ داتن نے ڈھنائی سے تصحیح کی، پھر ناک سے بھی اڑائی۔ ”اور تمہاری یہ تقدیمی نظریں جو میرے اس کو زی آفس کو پچھلے میں سینکڑ سے ملامت کر کے میرے اور پرس کھار رہی ہیں نا، میں ان کو کھلے دل سے معاف کر دوں گی کیونکہ تم بھول رہی ہو کہ یہی وہ ڈبہ ہے جس میں بیٹھ کے ہم نے وہ تمام کام پلان کیے تھے جن کے باعث تم آج اس اونچے محل میں رہ رہی ہو۔“

”لگتا ہے بڑے زور کی لگتی ہے۔ چچچچ۔“ تالیہ نے افسوس سے سر دائیں باٹیں ہلا کیا۔ داتن نے چھپتی نظریں اس پر جمائے ناک زور سے سکوڑی۔

”میں Sun Tzu کی ماننے والی ہوں اور وہ کہتا تھا کہ جب امیر ہوتا غریب نظر آتا اور جب غریب ہوتا امیر۔“

”اس نے یہ فقرہ طاقتو را اور کمزور کے بارے میں کہا تھا۔“

”مگر اس کا مطلب یہی تھا جو میں نے بیان کیا ہے۔“

”اچھا چائے نہیں پلاو گی؟“ وہ بوری ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ داتن نے افسوس سے اسے دیکھ کے گھری سانس بھری۔

”تمہیں معلوم ہے ایک چائے کے اندر موجود **caffine** انسان کو کتنے خطرناک اثرات سے دوچار کر سکتی ہے؟“ بے شک انتہا نہیں کرنا چاہیے کیونکہ چائے کی زیادتی سر درد **Panic** ایکیں، بے خوابی، بارٹ برن، متلی، ڈائریا اور نفیوژن کا باعث بن سکتی ہے۔“

”اوہ اسی لئے جب تم میرے گھر آتی ہو داتن تو میری پتی سب سے پہلے ختم ہوتی ہے۔“

”میں ایک موڈی چیز سے تمہیں چھکا را دینے کی اپنی طرف سے کوشش ہی کر سکتی ہوں تالیہ لیکن اگر تم اس زہریلے مادے کی محبت میں، اس کی ایڈشن میں اتنی بتلا ہو ہی چکی ہو تو میں اس سے زیادہ تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتی۔“

”اُف تم اتنی لمبی بات کیوں کرتی ہو داتن؟“

گرم موٹی عورت نے میز پر رکھے ٹریولر مگ کا ڈھنکن کھولا، اور پیچھے سے تھر ماس اٹھا کر اس میں گرم اگر مچ چائے انڈیلی۔ تالیہ نے شکر یہ کہنے کو لب کھولے ہی تھے کہ داتن نے تھر ماس والپس رکھی، کری پر پیچھے کوٹک لگانی، اونگ سے گھونٹ بھر کے تسلی سے اسے

دیکھا۔ ”ہاں تو تم کیسے آئیں؟“

تالیہ نے گھری سانس میں ایک چھپتی ہوئی نظر اس پر ڈالی اور گویا ہوئی۔

”تمہیں معلوم ہے میں کیوں آئی ہوں۔“

”اوے کے!“ داتن نے مگ پرے رکھا اور اپنا ٹیبلیٹ نکال کے اسکرین اس کو دکھائی یوں کہ ٹیبلیٹ داتن کے ہاتھوں میں ہی تھا۔

”یہ ہے وہ سکے۔“ وہاں ایک اعلیٰ کوائی کی تصویر نظر آ رہی تھی۔ تالیہ آگے ہوئی۔

”تم معلوم ذرائع سے یہ سکے چند برس پہلے منظر عام پر آیا تھا۔ تقریباً سترہ سال پہلے۔ یہ سلطان مظفر شاہ کے زمانے کے سکوں سے مختلف ہے لیکن ہر میوزیم اور ہر نیوپاری نے اس سے متعلق بہت سی کہانیاں سنائی ہیں اور ہم دونوں جانتے ہیں کہ وہ سب جھوٹی ہیں۔ یہ سکے زیادہ دیر کسی کے پاس ٹھہرنا نہیں ہے، یا تجھ دیا جاتا ہے یا تجھے میں دے دیا جاتا ہے یا نیلام ہو جاتا ہے۔ میں اس کا پورا اثر میں تو نہیں ڈھونڈ سکی لیکن پچھلے سات سالوں میں ہماری.... وہ رکی اور منا سب افظ ڈھونڈا۔“ گیارہ بڑی ”جاہز“ (وارداتوں) میں سے پانچ میں یہ سکے موجود تھا۔“

”اور باقی میں؟“ اس نے بے قراری سے کہتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھایا تاکہ ٹیب لے مگر داتن نے اسے پیچھے کر لیا اور خفگی سے ہنویں سکوڑیں۔ ”اگر تم چند لمحے کا سکوت اختیار کرو اور مجھے خود کو متاثر کرنے کا موقع دو تو میں تمہیں دکھاتی ہوں کہ بے شک باقی سات وارداتوں میں یہ سکے موجود نہیں تھا مگر ان ساتوں جگہوں پر جو چیزیں موجود تھیں میں نے ان کی لست بنائی تو.....“

”تو کوئی اور چیز تھی جو ان ساتوں جگہوں پر موجود تھی، ہے نا۔“ وہ تیزی سے بولی تو داتن نے لب بھینچ لئے۔ منه کا ذائقہ تک خراب ہو گیا تھا۔ مگر ضبط کر کے کہنے لگی۔

”ہاں۔ میں نے سارا دن لگا کر کرامم میں فوٹو ز اور اپنے ریسروچ ورک کو جوہم نے واردات سے پہلے کیا تھا، اکٹھا کیا اور تمام فہرستوں کو کراس چیک کیا تو وہ ایک آئندھی تھا جو ان سب میں مشترک تھا۔ بوجھوکون سا؟“

”ملا کہ سلطنت کی ایک ملکہ کا سونے کا بریسليٹ ہے نا۔“

”راتن کے کندھے ڈھیلے ہوئے منہ کھل گیا۔“ ”تمہیں کیسے پتہ چلا؟“

”کیونکہ میں چائے بہت پیتی ہوں اس لئے میری یادداشت بہت اچھی ہے، اور آج ممزکا مل کے ساتھ شاپنگ کرتے ہوئے ان کا بریسليٹ دیکھ کے مجھے یاد آیا کہ ملا کہ سلطنت کی ایک ملکہ کا بریسليٹ بھی میں نے انہی سات جاہز میں سے دو تین میں دیکھا تھا مگر نظر انداز کر دیا کیونکہ مجھے وہ نقلی لگا تھا اور ہم ہمیشہ اصلی اور تاریخی آرٹ پر ہاتھ صاف کرتے ہیں داتن! اور وہ مجھے تاریخی نہیں لگا تھا۔“

”اگر سب کچھ معلوم ہو گیا تھا تو میرے پاس کیوں آئی ہو؟“ داتن نے براسامنہ بناتے ہوئے ٹیب زور سے بند کر کے میز پر رکھا۔

”کیونکہ اگر تم نے سارا دن اس کام پر لگایا ہے تو شاید تمہیں کچھ ایسا معلوم ہوا ہو جو مجھے نہ ہو سکا ہو۔“ اس پر داتن کھلے دل سے مسکرائی۔

”ویسے میں غرور نہیں کرنا چاہتی لیکن تم متاثر ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ تالیہ بی بی کیونکہ نہ وہ سکے کوئی سکے ہے نہ وہ بریسليٹ کوئی

بری سلیٹ ہے۔ یہ دیکھو۔“ داتن نے ٹیب اسکرین اس کے سامنے کی تو وہ چونک کے آگے کوہو کے دیکھنے لگی۔ وہاں ایک طرف سکے کی تصویر بنی تھی اور دوسری طرف ایک زنجیر والا بری سلیٹ بنا تھا جس کے اوپر سونے کی مستطیل ڈلی سی تھی جس کے آخر میں تین دانت بنے تھے۔

”بظاہر یہ ایک سکہ ہے اور وہ ایک بری سلیٹ لیکن اگر ان دونوں کو جوڑ دو تو...“ داتن نے مسکراتے ہوئے بٹن دبایا تو ایک اور ایج جزیٹ ہوا جس میں ان دونوں اشیاء کے کنارے ملے ہوئے نظر آرہے تھے۔ یہ دیکھو کیا بنتا ہے۔“

”چابی۔“ وہ مسحوری بولی۔ ”یہ ایک چابی کے دو بلڑے ہیں جس کے ساتھ زنجیر لگی ہے۔“

”ہاں۔ یہ ایک ٹوٹی ہوئی چابی ہے جس کو ہمیں ڈھونڈتا ہے اور تمہاری تقدیر بار بار تمہیں اس کی طرف لے جاتی تھی لیکن تم کبھی سمجھھی نہ سکی۔“ تالیہ کی آنکھوں میں چمک سی در آئی تھی۔

”سکے زکالنا تو کوئی مسئلہ نہیں۔ کل تنگو کامل کے گھر کچھ خاص مہماں آرہے ہیں، ڈنر کی افراتفری میں، میں زیورات ادل بدل کر کے سکے نکال لوں گی۔ سکے کی کاپی ہم اس لئے تیار نہیں کریں گے کیونکہ بعد میں اگر ہمیں اس کو fence کرنا پڑے تو تنگو کامل یہ دعویٰ نہ کر سکے کہ اس کے پاس بھی ویسا ہی سکا ہے ورنہ ہمیں اس کی اچھی قیمت نہیں ملے گی۔ تم بری سلیٹ کو ڈھونڈو کہ یہ کس کے پاس ہے۔“ وہ دبے دبے جوش سے بولی تو داتن نے ٹیک لگائے لگائے پر سوچ ہنکار ابھرا۔ پھر مگ کا ڈھکن ہٹایا تو چائے کی خوبیوں بھاپ کے ساتھ اور پر اٹھنے لگی۔ اس نے مگ ابوں سے لگایا، گھونٹ بھرا، اونگ نیچے کیا۔ اس دوران جیسے الفاظ جوڑے۔

”جتنا ان دو چیزوں کی ملکیت کی چیزیں کوئی نہیں نے دیکھا ہے تالیہ... ان دونوں کو کبھی کسی نے نہیں چرا کیا۔ ان کو یا مالک تھی دیتا ہے یا کسی میوزیم کو عطیہ کر دیتا ہے۔ جہاں کسی آکشن پر ان کو فروخت کر دیا جاتا ہے یا مالک خود ہی کسی دوست کو تھفہ دے دیتا ہے مگر۔“ پھر وہ چپ ہوئی۔ تالیہ بغور اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی جس کے سامنے چائے کے بے رنگ ڈھونیں کے مرغولے تیرتے دکھائی دے رہے تھے۔

”مگر ایک عجیب بات مجھے محسوس ہوئی ہے۔“ داتن نے کہنا شروع کیا۔

”میرا خیال تھا میرے ساتھ رہ رہ کر تم نے جانبات پر حیران ہونا چھوڑ دیا ہے۔“

”ہاں میرا ذہن ہر اس چیز کو مان سکتا ہے جس کو لوگ جھوٹ قرار دیتے ہیں کیونکہ ہماری حکومتیں اور ہمارے دانشوار ہمیں اونٹی سمجھ کر ہم سے حقائق چھپاتے آئے ہیں۔ لیکن.... یہ بات پھر بھی عجیب تھی کیونکہ میں نے نوٹس کیا کہ ہر وہ پرائیوٹ اور جس کے پاس یہ سکے یا یہ بری سلیٹ رہا ہے اس کو کوئی یہاں لا جائی ہو جاتی ہے۔ کوئی بڑی موزی یہاں رہی۔“

”ہو سکتا ہے یہ تمہارا وہ ہم ہو داتن۔ چھوڑ وان باتوں کو۔ بس اس بری سلیٹ کو ڈھونڈو تاکہ ہم جلد از جلد اسے حاصل کر سکیں۔“ پھر خلاء میں دیکھتے ہوئے وہ گہری سانس بھر کے بولی۔ ”مجھے ایسا لگنے لگا ہے جیسے میں نے اتنے سال ضائع کر دیے۔ میں کل سے یہی سوچ رہی ہوں۔ میری قسمت مجھے اس چابی تک لے جانا چاہتی تھی اور میں دوسری چیزوں میں پڑھ رہی۔ اس چابی کی قیمت ان سب سے زیادہ ہو گی۔ یقیناً۔“

مجھے لگتا ہے داتن...." اس نے پر امید نظریں اس پر جما کیں۔ "یہ وہی بڑی 'جاب' ہے جس کا میں انتظار کر رہی تھی۔ میری آخری چوری۔ آخری Heist۔ وہ کیا کہتے ہیں؟ Score of the scores۔ اور اس سے میں اتنا کمالوں گی کہ پھر دوبارہ کوئی غلط کام نہیں کر پڑے گا۔"

"تالیہ... کوئی چوری ہماری آخری چوری نہیں ہو سکتی۔ ہم نہیں بدل سکتے۔ نہ کبھی بد لیں گے۔" اس نے سمجھانا چاہا مگر وہ بندھتی۔ "مجھے لگتا ہے میں بدل جاؤں گی۔ اس لئے اس چاپی کو ڈھونڈو داتن۔ ایک آخری اونچا ہاتھ مار کے ہم کسی دوسرے ملک چلے جائیں گے۔ میں فیصلہ کر چکی ہوں۔"

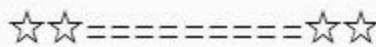
"پتہ نہیں کیوں میرا دل کہتا ہے کہ ہم اس کی کھونج نہ لگائیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کوئی بری شے... کوئی بلا ہماری گھات لگائے نہ ہیجھی ہو۔" وہ غیر آرام دہ نظر آ رہی تھی۔

"تم وہم کر رہی ہو یا ر حوصلہ رکھو۔" وہ ناک سے کمھی اڑاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ بیگ بھی اٹھا لیا۔ داتن نے سمجھ کے سر ہلا دیا۔ "اوکے، میں اسے ڈھونڈوں گی۔ مگر جو اس روز تم نے خواب دیکھا، تم نے بتایا تھا کہ اس میں بھی تم نے ایک آدمی کو کچھر میں لٹھڑی چاپی تمہاری طرف بڑھاتے دیکھا تھا۔" یاد کرتے ہوئے وہ خود چوکی۔ "کیا وہ یہی چاپی تھی؟" چائے کے گگ کا ڈھکن ہٹا تھا اور اس سے بھاپ ہنوز اڑاڑ رہی تھی۔ تالیہ ٹھہر گئی۔ خود بھی جیسے وہ چوکی تھی۔

"ہا۔ وہ یہی تھی۔" اس نے ٹیبلیٹ اٹھا کے پھر سے اس چاپی کو غور سے دیکھا۔ اسے کچھ یاد آیا تھا۔ ایک نہیں کلائی پہ بندھا بریسیلٹ۔ پرzel کا ایک اور ٹکڑا عین اپنی جگہ پر آگرا تھا۔

"ویسے وہ آدمی کون تھا تالیہ؟" داتن نے تجسس سے پوچھا مگر وہ سن نہیں رہی تھی۔ وہ کہیں اور گم تھی۔ "میں نے یہ بریسیلٹ دیکھ رکھا ہے پہلے۔ مجھے پتا ہے یہ کس کا تھا۔" پھر اس کے پھرے پختی آگئی۔ جیسے بے چینی اور دکھ کی ملی جلی کیفیت ہو۔ "مسز ماری آپ نے اچھا نہیں کیا۔" اس نے ٹیبلیٹ پٹخا اور تن فن کرتی باہر نکل گئی۔ داتن حیرت سے اسے جاتے دیکھتی رہی۔

"اے کیا ہوا؟"



اگلی صبح جب کوالا لمپور کی بلند بالا عمارتیں ڈھوپ میں سینہ تانے کھڑی تھیں، اور نبی سے بوجھل فضانے ماحول میں جس ساپیدا کر رکھا تھا، شہر کے ایک مفلوک الحال علاقے میں فلیٹ بلڈنگ کی بالکونیوں میں رسیوں پر کپڑے سوکھتے دکھائی دے رہے تھے۔ اتوار کے باعث شاید ساری عمارت کی عورتوں نے واشنگٹن میشن لگا رکھی تھی۔ ایسے میں تالیہ بنت مراد ایک فلیٹ بلڈنگ کی گندی میلی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ وہ مالے طرز کا جاپ پہننے ہوئے تھی۔ اسکرٹ اور لمبی قمیص جیسا لباس اور اس کے اوپر کس کے لیا گیا اس کارف جس پر مزید ایک دوپٹہ پھیلایا رکھا تھا۔ آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگا تھا اور وہ پہلے سے مختلف نظر آ رہی تھی۔ تیسری منزل کے ایک دروازے کے سامنے وہ رکی اور نیل

بجائی۔

”آرہی ہوں۔“ عورت کی آواز سنائی دی جیسے وہ تکلیف میں آہستہ آہستہ چلتی دروازے تک آرہی ہو۔ پھر دروازہ کھل گیا اور ایک ادھیر عمر عورت نظر آئی جس کا چہرہ کریلے کے خول کی مانند جھریلوں زدہ تھا اور سفید سرمی بال چوٹی میں گندھے تھے۔ نظر کے موٹے چشمے سے اس نے سامنے کھڑی لڑکی کے چہرے کو دیکھا تو چہرہ کھل اٹھا۔

”تا...تا لیہ... آؤ آؤ۔ بڑے عرصے بعد آئیں تم... آ جاؤ...“ انہوں نے خوشی سے اسے راستہ دیا۔ وہ سلام کر کے سر جھکائے اندر داخل ہوئی۔ وہ تگ و تاریک سافیٹ تھا۔ سامنے ایک لاونچ نما چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں صوفے رکھے تھے۔ خاتون گھنٹوں کے درد کے باعث ٹیڑھی سیدھی چلتی آگئے آئیں، صوفوں سے کپڑے ہٹائے اور بیٹھنے کو جگہ بنائی۔

”آؤ بیٹھو۔ آج مشین لگا رہی تھی تو سارا گھر کپڑوں سے بھرا پڑا ہے۔ حالانکہ ایک میرے کتنے کپڑے ہوتے ہیں۔ تم بیٹھو میں شربت لاتی ہوں۔“

”اوکے مسز ماریے۔“ وہ مسکرا کے بیٹھ گئی۔ وہ گئیں تو اس کے چہرے کی مسکراہٹ غالب ہوئی اور اس پر ٹکھلی نظر آنے لگی۔ جسے اس نے پھر سے مصنوعی مسکراہٹ کے پر دے میں چھپا لیا۔

کچھ دیر بعد وہ اس کے سامنے شربت کی ٹڑے رکھ رہی تھیں۔ ”اتنا اچھا لگتا ہے تمہیں یوں دیکھ کے۔ ابھی تک سکول میں پڑھا رہی ہو؟“ ”جی۔“ وہ مسکرا کے بولی۔ ”دینیات اور میتھس پڑھاتی ہوں۔“ وہ نظریں جھکائے شرافت سے بولی تھی۔

”شوہر بچے سب ٹھیک ہیں۔“

”جی۔ بچے اسکوں گئے ہوئے تھے تو میں وقت نکال کے آگئی۔“ اسکام آرٹسٹ کی مسکراہٹ ولیسی ہی سادہ تھی۔

”کبھی ان کو ساتھ بھی لے آؤ مجھ سے ملوانے۔ صرف تصویریں دکھائی ہیں تم نے اب تک۔“ انہوں نے شکوہ کیا۔

”بس جب آپ سے ملتی ہوں تو اپنا آپ بھی بچھ لگانے لگتا ہے۔ آپ یتیم خانے کی منتظم تھیں اور تین سال میرا وہاں خیال رکھا تھا آپ نے۔ آپ کے ساتھ بیٹھ کے پرانی باتیں یاد کرنے کا دل کرتا ہے مسز ماریے۔“ بات موڑ دی۔

”خوش رہ، جیتی رہو۔“ انہوں نے گھری سانس لی۔ ”جو بچے چھوڑ جاتے ہیں یتیم خانہ وہ کبھی واپس نہیں آتے۔ مگر جس طرح تم واپس آ جاتی ہو، پیسے بھیجتی رہتی ہو۔ دل بہت خوش ہوتا ہے۔“

شربت سے ہٹرا گا اس دونوں کے درمیان آن چھوار کھا تھا۔ تالیہ نے اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ بس نظریں ان کے یہاں زر ڈھرے پر جمائے رکھیں۔ ”مسز ماریے.... آپ کو کبھی علم نہیں ہو سکا کہ مجھے وہاں کون چھوڑ گیا تھا۔“

”یہ معمہ میں بھی کبھی حل نہیں کر سکی۔ رات کو چرچ بند ہوتا تھا۔ صبح جو پہلا بندہ اوہر گیا، اس کو تم وہیں ملتی تھی۔“

”مجھے وہ سب یاد ہے۔ وہ اتوار کا دن تھا۔ آپ عبادت کے لئے جلدی آگئی تھیں اور مجھے روک کے کچھ پوچھا تھا آپ نے۔“

”ہاں میں پھر تمہیں یتیم خانے لے آئی۔ وہیں پولیس بھی بلائی۔ مگر کوئی بھی تمہارے ماں باپ کو نہیں ڈھونڈ سکا تھا۔ تمہارے کپڑے بے عجیب سے تھے۔ پھر پرانے میلے کھیلے۔ تمہیں میں نے نئے کپڑے دیے تمہیں تیار کیا۔ اور....“ وہ یاد کر کے ذرا جوش سے بولے جا رہی تھیں کہ تالیہ ایک دم بولی۔ ”مجھے میرے ماں باپ مل گئے ہیں مسز ماری۔“ مسز ماری رکیں۔ منہ کھل گیا۔ بے یقینی سے تالیہ کو دیکھا جس کی عینک کے پیچھے چھپی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تیر ہے تھے اور وہ خوشی سے بتا رہی تھی۔

”ایک دیب سائیٹ گمشدہ بچوں کو ان کے ماں باپ سے ملتی ہے۔ میں نے اپنے بچپن کی تصویر ڈالی تو ایک جوڑے نے مجھ سے رابطہ کیا۔ وہ مالے ہیں مگر امریکہ میں رہتے ہیں۔ میں نے ان کو اپنی ڈی این اے روپورٹ بھیجی تو وہ منیج کر گئی۔ اب میں امریکہ جا رہی ہوں۔“ ”واو تالیہ.... واو۔“ وہ خوشنگواری گرم جوشی سے اس کا ہاتھ دبائے کہنے لگیں۔ ”میں بہت خوش ہوں تمہارے لئے۔ یہ انہوںی ہو گئی۔ مگر اس وقت وہ کیوں نہیں آئے تھے تمہیں کلیم کرنے؟“

”ان کی مجبوریوں کی بھی داستان ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے انہوں کیا گیا تھا لیکن....“ وہ ٹھہری۔ آواز راز دانہ سرگوشی میں بد لی اور آگے کو جھکی۔ ”انہوں نے میں ہزار ڈالر کا انعام دینے کا وعدہ کیا ہے میرے کیسے کیسے کیز کو۔ میری لاہور والی فیملی اتنی اچھی نہیں تھی، میں نہیں چاہتی یہ انعام ان کو ملے۔ میں چاہتی ہوں یہ یتیم خانے کے لوگوں کو ملے۔ یعنی آپ کو ملے۔“ اسکام آرٹسٹ نے پہلا پتہ پھینکا۔

”میں ہزار ڈالر؟“ ان کی آنکھیں کھل گئیں۔

”جی مسز ماری وہ بہت امیر لوگ ہیں۔ میرے بعد ان کی اولاد نہیں ہوئی۔ وہ خوشی میں کر رہے ہیں یہ سب۔ مگر.... ایک مسئلہ ہے۔“ ”کیا؟“ ان کی سانس انکھیں اٹک گئی۔

”وہ چاہتے ہیں کہ میں یہ ثابت کر کے دوں کہ آپ واقعی مجھے چرچ میں ملی تھیں۔ ظاہر ہے اتنی بڑی رقم دینے سے پہلے ان کو گارنٹی چاہیے کہ آپ واقعی میری کیسے کیز تھیں یا نہیں۔“

”میں.... میں کیسے ثابت کروں؟“ وہ بالکل سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھیں اور مارے جذبات کے اس کے ہاتھ پکڑ لئے تھے۔

”آپ کوئی نشانی بتا سکتی ہیں۔ کوئی ایسی بات جو صرف آپ کوہی معلوم ہو سکتی ہو۔ اصل میں....“ اس نے لجھ کوہر سری بنایا۔ نگاہیں ایک لمحہ کو بھی خاتون کے چہرے سے نہیں ہٹائی تھیں۔ ”کل.... میں مال میں ایک بری سلیٹ دیکھ رہی تھی.... تو مجھے یاد آیا۔۔۔ چرچ کا منظر۔۔۔ میری یاد داشت اچھی ہے کافی.... چرچ سے لے کر اب تک سب یاد ہے مجھے.... پہلے یہ بات مجھے اہم نہیں لگی تھی مگر کل.... اپنے ماں باپ کے ملنے کے بعد.... مجھے یاد آیا کہ میری کالائی میں ایک بری سلیٹ تھا، جس پر سونے کی ایک چابی بی تھی۔۔۔ صرف پہلے منظر میں مجھے وہ یاد ہے۔ پھر وہ پتہ نہیں کہاں گیا۔ اگر آپ اس کے پارے میں کچھ بتا دیں تو....“ وہ بنا پاک بھیکے مسز ماری کو دیکھ رہی تھی جن کا چہرہ ایک دم پھیکا پڑا تھا۔

”وہ؟“ وہ چپ ہو گئیں۔

”چلیں اگر آپ کو نہیں یاد تو کوئی بات نہیں۔ میں اپنے والدین کو تیتم خانے والے قاسم صاحب کا نام دے دیتی ہوں تاکہ...“ وہ اٹھنے لگی تو انہوں نے جلدی سے اس کا ہاتھ تھاما۔

”نہیں نہیں.... قاسم نے کیا کیا تمہارے لئے؟ مجھے یاد ہے میں بتاتی ہوں۔“ انہوں نے ہڑبڑا کے اسے روکا۔ ”تمہارے ہاتھ میں ایک بری سلیٹ تھا۔ اصل میں وہ چاپی تھی جس کی شہری چین کو تم نے کلائی پہن رکھا تھا۔ میں نے وہ تمہارے ہاتھ سے اتاری تو وہ ایک دم ٹوٹ گئی۔ مجھے نہیں پتہ تالیہ یہ کیسے ہوا مگر اس کے دوکڑے ہو گئے۔ سکے الگ ہو گیا اور بری سلیٹ پر ڈلی سی رہ گئی۔ مجھے تمہاری غہداشت کرنی تھی تمہارے لئے تیتم خانے میں جگہ بنانی تھی، فنڈ زندہ نہیں تھے، میں کیا کرتی تالیہ۔“

”اٹس اور کے۔“ تالیہ نے نرمی سے ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا۔ ”آپ نے وہ چرالیا کیونکہ آپ کو پیسے چاہئے تھے، میں اس بات کو سمجھ سکتی ہوں۔“ پھر اس نے سیل فون کی اسکرین سامنے کی۔ ”کیا وہ ایسا تھا؟“

انہوں نے غور سے اسکرین کو دیکھا۔ ”ہاں جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کوئی ایسا ہی ڈیزائن تھا۔ اتنے سال ہو گئے اب یاد داشت جواب دینے لگی ہے۔ آئی ایم سوئی مگر میری مجبوری تھی۔“ ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ”میرا ایک رشتہ دار نا تھا، میں نے وہ اس کو بچ دیا۔ وہ عجیب سی چیز تھی۔ مجھے اس سے خوف آتا تھا۔ مگر اس کے جانے کے بعد تم چپ ہو گئیں بالکل۔“

تالیہ نے بے اختیار صوفے کی گدی مٹھی میں بھچ لی۔ اس کا سانس انکے گیا تھا۔ ”اس کے بعد چپ ہوئی؟ مگر آپ لوگ تو کہتے تھے کہ میں ہمیشہ سے چپ تھی، مجھے کچھ یا نہیں تھا۔“

”نہیں۔ پہلے چند منٹ جب تک تمہارے ہاتھ میں بری سلیٹ تھا، تم نے کچھ باتیں کی تھیں۔ وہ تمہارے ہاتھ میں چمکتی تھا۔ جیسے اس سے روشنی نکلتی ہو۔ میں نے اسے تمہاری کلائی سے اتارا تو وہ بجھ گیا اور چاپی دوکڑے ہو گئی۔ مجھے اس سے خوف آیا تھا تالیہ۔“

”میں نے... کیا باتیں کی تھیں۔“ اس نے رندھے گلے سے پوچھا تھا۔

”صحیح الفاظ یا نہیں۔ اتنے سال بیت گئے اب تو تالیہ مگر اتنا یاد ہے کہ تم نے کہا تھا گاؤں والے مصیبتوں میں ہیں۔ تم ان کے لئے مدد لینے آئی ہو ورنہ سب رجائیں گے۔ تم نے کہا تمہیں ان سب کو بچانا ہے۔ میں نے پوچھا یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے تو تم نے کہا یہ میرے بابا نے مجھے دی ہے۔ میں نے تمہارا نام پوچھا تو تم نے کہا تالیہ بنت مراد۔ لیکن جب میں نے وہ بری سلیٹ اتارا تو تم خاموش ہو گئیں، جیسے تمہیں سب بھول گیا ہو۔“

تالیہ کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے مگر اب کی باروہ اصلی آنسو تھے۔ ”اور کچھ۔“

”اور مجھے یا نہیں۔ کیا یہ کافی ہو گا تمہارے ماں باپ کو یقین دلانے کے لئے؟“

”ہوں؟“ وہ چوکی۔ پھر اپنی کوراسٹوری یا دی آئی تو زبردستی مسکرائی۔ ”میں ان کو بتا دوں گی۔ اب میں چلتی ہوں۔“ وہ کھڑی ہو گئی۔

”انعام کی رقم کب تک ملے گی؟“ وہ بے قراری سے اس کے ساتھ کھڑی ہوئیں۔ وہ بدقت مسکرا کے ان کو تسلی دلانے لگی۔

☆☆=====☆☆

رات اس پوش علاقے پر اپنے پھیلائے اتری تو حالم کے اس اونچے عالیشان گھر کی بیرونی بتیاں جگہ گاتی دکھائی دیئے گئیں۔ لاونچ میں البتہ اندر ہیر اتھا، صرف بڑی سی لی وی اسکرین چک رہی تھی جس کے سامنے وہ دونوں صوفے پہنچی تھیں۔

داتن نے سیاہ کھلا بس پہن رکھا تھا اور انگوں کی قپچی بنا رکھی تھی۔ گود میں پاپ کارن کا پیالہ تھا جس سے وہ بھنے ہوئے تازہ خستہ پاپ کارن نکال کر منہ میں ڈال رہی تھی۔ نظریں اسکرین پر جمی تھیں جہاں ایک مالے گیم شو چل رہا تھا۔ ایک فیلمی گھر جیتنے ہی والی تھی اور داتن کی سانس رک رک کے آرہی تھی۔

ساتھ پیرا پر کر کے بیٹھی تالیہ دور خلایں گھور رہی تھی۔ گم صم۔ کسی اور وصیان میں۔ سیاہ بال ہیر بینڈ لگا کر پیچھے کر کھے تھے اور سفید شرٹ پہن رکھی تھی۔ انگلی بے مقصدی صوفے کے ہاتھ پہ بنے ڈیزائن پر پھیر رہی تھی۔

”آخری راؤنڈ... اف اللہ۔“ داتن ذرا آگے ہوئی۔

”وہ چاپی میری تھی، داتن۔ وہ میرے باپ نے بنائی تھی۔“

داتن چوکی اور گردن اس کی طرف پھیری۔ وہ اسی طرح صوفے کے ڈیزائن پر انگلی پھیرتی بے خودی بولے جا رہی تھی۔ سیاہ آنکھوں میں زمانے بھر کی اداسی تھی۔

”میں آج مسزماری سے ملنے گئی تھی۔“ الفاظ اس کے لبوں سے بہتے جا رہے تھے گویا مکنی کے دانے ہوں جو حدت ملنے پر چڑھ رہے ہوں۔ وہ کہے جا رہی تھی اور داتن بھٹے کی خستہ خوشبو سے دبک سی گئی تھی۔ اس کے ماتھے پہ بل پڑ گئے، آنکھوں میں غصہ ابھر آیا۔

”اس نے تمہارا یہ سلیٹ بیچ دیا؟ اف اف۔ خبردار جو آئندہ تم نے مسزماری کی کوئی مالی مدد کی۔“

”کیوں؟“

”کیونکہ وہ ایک بد دیانت چور ہے!“

”اور میں کیا ہوں؟“ اس نے سادگی سے داتن کو دیکھا تو وہ ناک سکوڑ کے رہ گئی۔

”اس عورت نے تین سال میرا خیال رکھا جب مجھے کوئی اور لینے نہیں آیا۔ مجھے ان پر چھوڑا غصہ آیا تھا مگر مجھے ان سے گھر کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔“

”خیر... اب کیا کرنا ہے؟“

”تم پر یہ سلیٹ تلاش کرو میں سکے کو تیکوں کا مل کے لا کر سے چوری کرتی ہوں۔ کل جب مہماں کا راش ہو گا تو میں موقع دیکھ کے اسٹڈی میں چلی جاؤں گی۔“

”کیا تم وہ چاپی صرف پیسوں کے لئے چہانا چاہتی ہو تالیہ؟“

تالیہ نے گھری سانس لی، داتن کو دیکھا اور مٹھی بھر کے پیالے سے پاپ کارن اٹھائے۔ ”جب تک مجھے یہ یاد نہیں آیا تھا کہ وہ میری چالی ہے، میں اسے دولت کے لئے ہی چڑا چاہتی تھی، مگر اب...“، اس نے اسکرین کو دیکھتے ہوئے پاپ کارن چھانکے۔ اور بند ہونٹ ہلاتے ہوئے انہیں چبانے لگی۔ لمبے بھر کولا و نج میں سنانا چھا گیا۔ داتن اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی جوٹی وی اسکرین کی نیلی روشنی میں دمک رہا تھا۔

”مگر اب شاید مجھے میرے تمام سوالوں کے جواب بھی مل جائیں، میں کون ہوں، کہاں سے آئی ہوں۔ سب معلوم ہو جائے۔“

”اور تمہارے ماں باپ۔ تم ان سے نہیں ملنا چاہتی؟ اور وہ گاؤں والے جن کا تم نے ذکر کیا تھا؟“

”جچ کھوں تو نہیں، داتن۔ میں اپنی زندگی میں خوش ہوں۔ مجھے ان سے نہیں ملنا۔ اور میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ وہ دیکھیں میں کیا بن گئی ہوں۔“ تجھی سے مسکرا کے وہ اسکرین کو دیکھنے لگی۔ اس کا ذہن کہیں اور تھا۔ مسز ماریہ کی آواز ہر جگہ گونج رہی تھی۔

(تم نے کہا تھا، گاؤں والے مصیبت میں ہیں۔ تم ان کے لئے مدد لینے آئی ہو ورنہ سب مر جائیں گے۔ تم نے کہا تمہیں ان سب کو بچانا ہے۔)

مگر اس نے سر جھٹکا۔ (مجھے کسی کو نہیں بچانا۔ مجھے کسی کی مدد نہیں کرنی۔ اب تک تو سب مر کپ گئے ہوں گے۔ مجھے صرف چالی کو اچھے داموں بیچنا ہے۔ تاریخی نوار دات مہنگے داموں بک جاتے ہیں۔ میرے خواب.... ایک جزیرے پر ایک اونچا محل.... بس مجھے یہی سوچنا ہے۔)

”ویسے کل کون آرہا ہے تنگو کامل کے گھر؟“ داتن کی بات نے اس کو گھری سوچ سے نکالا۔ ”پتہ نہیں۔“ اس نے شانے اچکائے۔ ”جب بڑے لوگ بڑے لوگوں کے گھروں میں آتے ہیں تو وہ ہم چھوٹے لوگوں کو تفصیلات نہیں بتاتے۔ سیکورٹی پر ڈوگول۔“ مگر داتن جواب سے بنا اسکرین کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ فیملی آخری راونڈ میں تھی گھر جتنے کے بہت قریب۔

☆☆=====☆☆

صح سے تنگو کامل کے گھر صفائی اور تیاریوں کا ایسا سامان بندھا تھا کہ چند ایک بار تو تالیہ نے ٹلڈر کو روک کے پوچھنا چاہا کہ آخر آکون رہا ہے؟ مگر پھر ارادہ بدل دیا۔ کون سا وہ بتا دے گا۔ ہونہ۔

مسز شیلا کامل مضطرب اور پر جوشی کچن میں ایک ایک چیز اپنی گمراہی میں تیار کروارہی تھیں۔ باریک ہیل پہنے وہ بالوں کو پارلر سے سیٹ کروائے بے حد خوش اور نزدیک نظر آرہی تھیں۔ مگر جب انہوں نے تالیہ اور تینیم کو کھانا لانے کی ترتیب کی ہدایت دینا شروع کی تو تالیہ کے ایروجیرت سے اکٹھے ہوئے۔

”چیپس منٹ؟ صرف چیپس منٹ کے لئے وہ لوگ آرہے ہیں کیا؟ مسز کامل نے اسے یوں دیکھا گویا اس کی عقل پر افسوس کیا ہو۔“ ہاں تالیہ۔ چیپس منٹ بھی بہت ہیں۔ اور ناک سے کمھی اڑاتی آگے بڑھ گئیں۔ تینیم نے کندھے اچکا دیے۔ کسی ملازم کو اندازہ نہ تھا کہ مہماں

کون تھے۔ بس بٹلر نے کام کے دوران اتنا بتایا کہ سر کے کلاس فیلو اور ان کی بیگم ہیں۔ تنسیم نے بٹلر کے آگے بڑھتے ہی اس کے کان میں سر گوشی کی۔

”کامل صاحب کے کلاس فیلو ہیں تو اچھے خاصے بوڑھے ہوں گے۔ آخر ایک بوڑھے اور بڑھیا کے آنے پر اتنا ہنگامہ کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟“

تالیہ بے اختیار نہیں دی۔ پھر اس کے جانے کے بعد اس نے اپنے اپرین پر سامنے ہاتھ رکھ کے نقلي زیورات کی موجودگی کی تصدیق کی جو پولی کی صورت بیلٹ کے ساتھ اس کی کمر سے بند ہے تھے۔ لا کر کھول کے زیورات اول بدل کرنے کے لیے پچیس منٹ بھی کافی تھے۔ شام ڈھل گئی اور گھر پر اندر ہیرا چھانے لگا۔ مالے گھر بھی کراچی کے بنگلوں جیسے تھے۔ ویسے ہی لان پورچ ڈرائیور اور سامنے گیٹ۔ اوپنی چار دیواری۔ کچن کی کھڑکی سے لان نظر آتا تھا۔ وہاں تنگوں کا مل اپنے بیوی بچوں سمیت کب سے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔

تالیہ منہمک سی کھڑی سلااد پلیٹ میں سجا رہی تھی جب باہر پر رونق سا شور مچا۔ تنسیم اور نور (ساتھی ملازمائیں) لپک کے کھڑکی میں جا کھڑی ہوئیں۔ گاڑیوں کے اندر آنے اور دروازوں کے کھلنے بند ہونے کی آزوں کے ساتھ دعا سلام بھی گونجا تھا۔ تالیہ مزے سے سلااد کے قتلہ ڈش میں سجائی گئی۔

”اوہ خدا۔ اف اف۔ کیا تم نے انہیں دیکھا؟“ کھڑکی سے باہر جھانکتی تنسیم نے مہمانوں کو گاڑی سے اترتے دیکھا تو مارے جو ش کے اس نے منہ پر ہاتھ رکھا۔ نور با قاعدہ اور پر نیچے اچھلی پھر دانتوں میں انگلیاں دبائیں۔

”اف۔۔۔ یہ تو۔۔۔ مجھے یقین نہیں آ رہا۔“

”انہوں نے گرے سوٹ پہن رکھا ہے۔“

”وہ ان کی واکف کو دیکھو۔ اس نے صبح یہی ڈریں مارنگ شو کے انٹرویو میں پہنا ہوا تھا۔ اف اف۔“ ان دونوں کے چہرے سرخ پڑ کے تین تمارے تھے اور وہ کبھی منہ پر ہاتھ رکھتیں، کبھی ایک دوسرے کا ہاتھ مارے جو ش کے پکڑتیں۔ تالیہ نے گردن اٹھا کے ایک نظر ان دونوں کو دیکھا اور افسوس سے سر جھکا۔

(خیر۔۔۔ یہ بے چاریاں ملازمائیں ہیں، امیر اور مشہور لوگ دیکھنے کا موقع کہاں ملتا ہے ان کو۔ ان کا ایسا جذبائی ہونا بنتا ہے۔) اس نے سلااد کی ڈش رکھی اور تسلی سے ہاتھ رو مال سے پوچھتی آگے آئی۔ ان دونوں کے قریب رکی اور باہر جھانکا۔

گارڈز اور چند افراد کے تمراہ وہ دونوں میاں بیوی کار سے اتر چکے تھے اور میز بانوں سے مل رہے تھے۔ گرے سوٹ والا آدمی دراز قدر اور دبلا پتلا تھا۔ فٹ اور اسماڑ۔ مسٹر کامل سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس کی پشت تالیہ کی طرف تھی۔ پھر وہ پلٹا تو تنگوں کا مل کے بیٹھے علی کے قریب ٹھہرا۔ علی نے اس کا ہاتھ تھاما اور چوم کے آنکھوں سے لگایا۔ یہ مالے لوگوں کا بڑوں سے ملنے کا طریقہ تھا۔ اور تب تالیہ نے اس آدمی کا چہرہ دیکھا۔

”ہا!“ اس نے بے اختیار ہونوں پر ہاتھ رکھا تھا۔ آنکھیں شاک سے بچیں گئیں، سانس ایک ایک گئی اور رنگت گلابی پڑنے لگی۔ ”اوہ گاؤ..... او گاؤ،“ اس نے بے یقینی سے نور اور تنیم کو دیکھا جو اتنی ہی بے یقینی سے اور خوشی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

وہ شخص اب مسکرا کے بچے کا سر تھپک رہا تھا، پھر چہرہ کامل صاحب کی طرف موڑ کے کچھ کہنے لگا۔ اور ادھر تالیہ مرا دکھڑ کی میں ہکابا کسی کھڑی تھی۔ نور نے اس کا کندھا ہالایا۔ ”تمہارا فون نج رہا ہے تالیہ۔“

وہ چونکی پھر اپرن کی جیب سے فون نکال کر بغیر دیکھے کان سے لگایا۔ نظریں وہیں باہر جمی تھیں۔ دوسرا ہاتھ ابھی تک ہونوں پر تھا۔ اف۔

”بریسیلیٹ کا پتہ چل گیا تالیہ۔ اور تم یقین نہیں کرو گی کہ وہ کس کے پاس ہے۔“ وہ جوش سے بتا رہی تھی۔ ”میری اس شخص سے بات ہوئی ہے جس نے آخری دفعہ سے بیچا ہے۔ اس سے ایک آدمی نے خریدا تھا وہ بریسیلیٹ اپنی بہن کی سالگرہ کے لئے اور جانتی ہوا س کی بہن کس کی بیوی ہے؟“

”شاید میں جانتی ہوں۔“ وہ نظریں باہر لکائے بے خودی کہ رہی تھی۔

وہ پورچ میں کھڑا، علی بن کامل کی طرف اشارہ کر کے اس کے باپ سے کچھ پوچھ رہا تھا۔ یا شاید بچے کی تعریف کر رہا تھا۔ وہ دراز قد تھا، کسرتی جسم والا بے حد فٹ اور تیز چلنے والا آدمی۔.....

”نہیں تم نہیں جانتیں۔ اس کی بہن کا شوہر اس ملک کا سب سے پاپولر لیڈر ہے.....“

اس کی رنگت صاف تھی، بے حد صاف، نقوش چینی تھے، مگر بہت پرکشش۔ وجہہ پھرہ اور چمکتی ہوئی خوبصورت آنکھیں۔ وہ اب تنگوں کامل کی بات پر مسکرا رہا تھا۔

”باریکن نیشنل کا ہونے والا نیا صدر.....“

اس کے بال سیاہ تھے اور نفاست سے برش کر کے پیچھے کر رکھے تھے۔ کانوں کے اوپر سے وہ سفید تھے جو اس کے چہرے کی نرمی اور وقار میں اضافہ کرتے تھے۔ وہ اڑتا لیس برس کا تھا مگر اپنی فٹس اور جوان نظر آتے چہرے کے باعث عمر سے دس پندرہ برس کم دکھائی دیتا تھا۔

”..... ہمارے ملک کا اگاوزیر اعظم..... وان فاتح را مزل..... اس کے گھر ہے تمہارا بریسیلیٹ، تالیہ۔“

بے یقین سی تالیہ ہنوز باہر نظریں جمائے کھڑی تھی۔ دونوں ملاز مائیں باہر بھاگ چکی تھیں۔

”اوہ اگر میں تمہیں یہ کہوں داتن کہ وان فاتح بن را مزل اس وقت میرے سامنے کھڑا ہے تو کیا تم یقین کرو گی؟“ وہ بے خودی کے عالم میں کہ رہی تھی۔ وہ مری طرف داتن نے گھری سانس بھری تھی۔

”تالیہ..... میں جانتی ہوں اس کا نام سن کر تم صدے اور Fan Moment کی ملی جلی کیفیت میں ہو، اس لئے کوئی بات نہیں، مخنددا پانی

پھیو اور پھر لا کر کی طرف جاؤ۔ بریسیلیٹ کا بھی نہ سوچو۔“ اس کے الفاظ نے کوئی بلبلہ سا پھاڑ دیا تھا۔ تالیہ کے ماتھے پہل پڑے۔

”چپ کر، موٹی کالی مرغی!“ وہ جل کر بولی اور فون بند کر کے جیب میں رکھا پھر کھڑ کی سے باہر جھانکا تو پورچ اب خالی تھا۔ یقیناً

مہمانوں کو لے کر میز بان اندر ڈرائیور گروم میں چلے گئے تھے۔ اس نے بے قراری سے کچن کے دروازے کو دیکھا۔ سب ملازم مہمانوں کے آگے پیچھے بھاگ چکے تھے۔ وہ جائے یا نہیں؟

اوہبؤ۔ اس نے گھرے گھرے سانس لے کر خود کو کمپوز کرتے ہوئے Fan Moment سے نکلنے کی کوشش کی۔ کندھے اچکائے اور سینے پر بازو لپیٹ کرو ہیں کا ڈنٹر سے نیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ ”میں نہیں جاؤں گی۔ میں کوئی باقی لوگوں کی طرح فاتح رامزل کی اتنی بڑی فین ٹھوڑی ہوں جو اپنے ذاتی وقار اور خود اعتمادی کو پس پشت ڈال کر چھوٹے لوگوں کی طرح سیلبرٹی کے آگے پیچھے بھاگتی پھراؤ۔ ہونہے۔“ وہ اسی طرح اکٹھ کے کھڑی رہی۔ چند سانسیں لیں۔ پھر ایک دم بازو نیچے گرانے اور باہر کو بھاگی۔

(مٹی ڈالو وقار اور اعتماد پر۔ وہ فاتح رامزل ہے۔ اف۔ دی فاتح رامزل۔) تیز تیز دوڑتی وہ ڈرائیور گروم کے دروازے تک آئی تھی۔ چہرہ خوشی سے گلابی ساتھ میں وہاں پہلے سے کھڑی پر جوشی سر گوشیاں کر رہی تھیں۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ ان کے پاس آرکی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا مگر یہاں سے صرف کامل صاحب اور مسز کامل بیٹھے نظر آتے تھے۔ مہمان نہیں۔ تبھی بلکہ باہر نکلا اور سخت لمحے میں تالیہ کو مخاطب کیا۔ ”جوں تم سرو کرو گی۔ جلدی۔“

اس کی رنگت مزید گلابی پڑ گئی۔ جھٹ سر ہلایا اور کچن کی طرف بھاگی۔ جلدی جلدی ٹرے لگائی اور ڈرائیور گروم سک آئی۔ دروازے پر لگنے پہنچنے میں اپنا عکس دیکھا۔ سائیڈ کی مانگ نکال کر بالوں کو کس کر جوڑے میں باندھے، وہ سرمنی سفید یونیفارم میں ملبوس تھی۔ چہرہ دھلا دھلا یا اور آنکھیں بہنچیں۔ وہ زیادہ اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ اف خیر ہے۔ اس نے سر جھنکا اور اندر داخل ہوئی۔

ڈرائیور گروم میں تیز اسے چل رہے تھے مگر اس کے ہاتھوں پر پسینہ آ رہا تھا۔ ٹھنڈے ماحول کو زرد یونیپس کی روشنیوں نے مزید مسحور کن اور پرفسوں بنا کر کھاتھا۔ میز بان جوڑے کے علاوہ مہمان جوڑا اور تین افراد بیٹھے تھے۔ فاتح رامزل سامنے والے صوفے پر موجود تھا۔ ناگ پٹا نگ جمائے ایک بازو صوفے کی پشت پر پھیلانے، وہ مدد مسکراہٹ کے ساتھ چہرہ ڈراموڑے کامل صاحب کی بات سن رہا تھا۔ برابر میں اس کی بیوی بیٹھی تھی۔ اس کے بال بھورے سرخ ڈائی تھے اور ہاف باندھر کئے تھے۔ وہ بالکل پاٹ چہرہ لیے ہوئے تھی۔ آنکھیں بے جان تھیں۔ وہ دونوں ٹرے اٹھائے آتی مازمہ کی طرف متوجہ نہیں تھے۔ تالیہ باری باری سب کے پاس رک کر جوں پیش کرنے لگی۔ ”سوری میں آپ کی بات کاٹ رہی ہوں۔“ جذباتی سی مسز کامل نے اپنے شوہر کی بات ٹوکتے ہوئے مسکرا کے کہا۔ ”مگر وان فاتح رامزل اور مسز رامزل... آپ دونوں کا ایک دفعہ پھر شکریہ کہ آپ نے ہمارے گھر کو دو نقیب خیشی۔“

”مائی پلیور۔“ وہ بھاری مسکرا تی آواز میں بولا تھا۔ تالیہ کی اس طرف پشت تھی۔ یہ آواز۔ یہ شخص۔ یہی تھا اس کے خواب میں..... (میرے ساتھ رہو۔ میرے ساتھ رہو۔) اس نے سر جھنکا۔ اور جھنک کے اگلے صاحب کے سامنے ٹرے کی۔

”کیا یہ درست ہے سر کہ آپ استعفی دے رہے ہیں اور واپس امریکہ شفت ہو رہے ہیں؟ ہم نیوز میں سنتے رہتے ہیں۔“ کامل صاحب کے سوال پر تمام نظریں فاتح رامزل کی جانب اٹھی تھیں۔ وہ جواباً کھنکھارا۔

”ویکھو تنگو کامل..... بات یہ ہے کہ فاتح بن رامزل جیسا انسان جو دو دفعہ امریکہ میں اسٹیٹ ائر فنی کا ایکشن ڈر کے منتخب ہوا تھا اور جس کے زمانے میں اسٹیٹ ائر فنی آفس میں پر اسیکیوشن کاریکارڈ مثالی رہا تھا..... اور جو پندرہ سال پہلے امریکہ چھوڑ کے ..... امریکی شہریت حاصل کرنے کے صرف مالے قوم کے لئے واپس آیا تھا، اس آدمی کو اتنی لمبی اسٹرگل کے بعد اگر باریں پارٹی کا صدر منتخب ہونے کے لئے اور فنڈر حاصل کرنے کے لیے با دشاد کے محل میں ہر روز ماتھا نیکنا پڑے جیسے وہ عظیم بدھا ہوا اور میں ایک پچاری تو نہیں فاتح یہ نہیں کرے گا۔ مجھ سے یہ منافقت نہیں ہوتی کیونکہ ہمارے با دشاد اور ہمارے وزیر اعظم دونوں کو اس وقت جیل میں ہونا چاہیے۔ ہاں میں جیل میں ان دونوں کو ہر ہفتے وزٹ کرنے کے لئے تیار ہوں۔“ اس بات پر قہقہہ پڑا تھا۔ (مگر فاتح رامزل نے سوال کا جواب نہیں دیا۔) وہ سوچتے ہوئے سپاٹ چہرہ بنائے اب بڑے صوفے تک آر کی تھی۔ فاتح رامزل کے ایک طرف سے جھک کے ٹرے پیش کی۔ کپکپاتی پلکیں اٹھا کے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ تنگو کامل کو دیکھ رہا تھا، مسکرا کے۔ ایک شان بے نیازی سے۔ تالیہ کھڑی رہی تو مسز فاتح نے ایک نظر اسے دیکھ کے ہاتھ سے نفی کا اشارہ کیا۔ (وہ یہ جوں نہیں پیتے۔) تالیہ آگے بڑھ گئی۔ دل بجھ سا گیا تھا۔

باہر جا کر وہ وہیں دروازے کی اوٹ میں ٹھہر گئی۔ مسز کامل کہہ رہی تھیں۔

”لیکن آپ ایک ممبر پارلیمنٹ ہیں سر، کیا آپ واقعی استعفی دے رہے ہیں؟“

”ستنگو شیلا.....“ وہ ہر ایک کو اس کے فرست شیم سے پکار رہا تھا۔ ”میں سیاست میں طاقت یا دولت حاصل کرنے نہیں آیا تھا۔ فاتح بن رامزل ایک Dreamer ہے۔ ایک وزنی۔ جو ایک بہتر ملائیشیا کا خواب دیکھتا ہے۔ مگر مالے قوم کا اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہماری رو لنگ پارٹی اتنی بھاری اکثریت سے منتخب ہوتی آرہی ہے کہ پارلیمنٹ میں اس کی کوئی اپوزیشن ہی نہیں رہ گئی۔ کوئی بھی جمہوری گورنمنٹ تب تک صحیح کام نہیں کر سکتی جب تک اس کے خلاف اپوزیشن نہ ہو۔ زندگی کے ہر مقام پر یہ مخالفت ہوتی ہے جو ہم سے ہماری اصلاح کرواتی ہے اور ہم بہتر کام کرتے ہیں۔ اگر باریں پارٹی ایک اچھی اپوزیشن نہیں بننا چاہتی، اگر پارلیمنٹ خود کو مضبوط نہیں کرتی تو اخلاقی طور پر پارٹی صدر بننے یا ممبر پارلیمنٹ رہنے کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا۔“

باہر کھڑی تالیہ مسکرا دی۔ (اس نے پھر سے استغفی کا جواب نہیں دیا۔ آہ۔ سیاستدان۔)

دفتار اس نے گھڑی دیکھی۔ وہ منٹ گزر چکے تھے۔ پندرہ رہتے تھے۔ ایک بے قرار نظر ڈر انگ روم پر ڈال کے وہ چکے سے وہاں سے کھسک آئی۔

اسٹڈی کی بتی اس نے نہیں جلائی۔ پینسل ٹارچ جلا کر آگے آئی۔ لا کر کے سامنے پنجوں کے بلیٹھی اور لا کر پہ لگا گول چکر آہستہ آہستہ گھمانے لگی۔ چند ایک ملک ہوئے پھر دروازہ کھٹ سے کھل گیا۔ اس نے پوٹلی نکالی اور لا کر کھول کے زیورات کے ڈبے باہر نکالنے لگی۔ ایک دم وہ ٹھنک گئی۔ ادھر ادھر ہاتھ مارا۔

سکے والا باکس غائب تھا۔ اورہ نو۔ تالیہ نے پریشانی سے سارا لا کر کھنگاں دیا مگر وہ وہاں نہیں تھا۔ اس نے بے بھرے غصے سے زیورات

کو اول بدل کیا، لاکر بند کیا، اصل زیورات یو نیفارم میں چھپائے اور باہر نکل آئی۔ اب کے اس نے نور اور تسلیم کو کھانا سرو کرنے دیا اور خود کان لگا کر دروازے کے باہر کھڑی ہو گئی۔ بٹلر نے گھورا بھی مگر اس نے چہرے پر مسکینیت طاری کر کے پلکیں دوبار جھپکائیں تو وہ ہنکار ابھر کے آگے بڑھ گیا۔ اندر گفتگو کا رخ ملائیشیں پار یعنی میں زیر بحث تو ہم رسالت میں کی طرف مڑ گیا تھا۔ فاتح رامزل کے ساتھ آئے افراد اس بارے میں اظہار خیال کر رہے تھے۔

”میرا خیال ہے تم سال کی قید یا بھاری جرمانے والی سزا کسی بھی دین کی تو ہیں کرنے پر درست ہے۔“

”نہیں میرا خیال ہے اس میں ترمیم ہونی چاہیے اور اس کو سزا نے موت میں تبدیل ہو جانا چاہیے تاکہ مثالیں سیٹ کی جائیں۔“ مسٹر کامل اور دوسرا افراد باری باری اپنی رائے دے رہے تھے۔ تالیہ نے کان مزید زور سے دروازے کے ساتھ لگایا۔ اسے کافی دیر سے فاتح رامزل کی آواز نہیں سنائی دی تھی۔

”آپ کا کیا خیال ہے سر؟“ تالیہ نے پر دے کی اوٹ سے جھانکا۔ وہ نگاہیں کامل صاحب پر جمائے مسکرا یا تھا۔ پھر گھری سانس لی۔ ”میرا ایک دوست تھا سکول میں۔ بدھست تھا اور مجھے بہت پسند تھا۔ مگر میرے والد کو وہ بہت بر الگ تھا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ مجھے بگاڑ دے گا۔ وہ اس کی عزت نہیں کرتے تھے باوجود اس کے کہ وہ اس سے کبھی نہیں ملے تھے۔ میں ہر روز ان سے بحث کرتا تھا کہ میں اس کی دوستی سے نہیں بگزوں گا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوتا تھا۔“ وہ کہہ رہا تھا۔ اپنی مٹھنڈی بھاری اور پر سکون آواز میں اور سب سن رہے تھے۔ ”پھر ایک دن مجھے احساس ہوا کہ میرے والد جب اسے جانتے ہی نہیں ہیں تو وہ اس کی عزت کیسے کریں گے؟“ تب میں نے ان کو اپنے دوست کی خوبیوں کے بارے میں بتانا شروع کیا۔ تنگوں کامل میں نے ان کو بتایا کہ انسان ایک مکمل پیکچ ہوتا ہے، اس میں خوبیاں بھی ہوتی ہیں خامیاں بھی، اور اگر ہم کسی کو اس کے Weakest Link سے نجح کرتے ہیں تو ہم بہت برقے نجح بن جاتے ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ انسان ہیں جن کے اندر صرف خوبیاں اور اچھائیں تھیں۔ ان کے گستاخ کو ہر وہ سزا ملنی چاہیے جو شریعہ نے مقرر کر کھی ہے، علماء کو اس بارے میں کھل کے بولنا چاہیے اور مالے پار یعنی کوپا پر قانون سازی کرنی چاہیے اور جو بھی سزا قرآن و حدیث کے مطابق ہے وہ دی جائے، مثالیں سیٹ کی جائیں لیکن....“ وہ رکا۔ تالیہ نے گردن مزید اوپر کی۔ وہ انہی پر سکون آنکھوں سے ان سب کے چہرے دیکھ رہا تھا۔ ”لیکن کوئی بھی Evil صرف سزا دینے سے ختم نہیں ہو سکتا۔ یہ دنیا ہمارے نبی ﷺ کی دل سے رسیکٹ تب کرے گی جب ہم ان کو بتائیں گے کہ وہ کون تھے۔ سزا دینا، چیخنا، چلانا آسان ہے، یہ جلدی ہو جاتا ہے۔ زیادہ مشکل کام ہے نبی ﷺ کے لئے اپنی زندگیوں سے مسلسل وقت نکالنا اور اپنی تو اتنی کو دنیا تک ان کی اصل شخصیت سامنے لانے کے لئے خرچ کرنا۔ اس میں محنت لگتی ہے اور مسلمان بچے اس میں دلچسپی نہیں لیتے۔ کیونکہ ہمارے بچوں کو خود معلوم نہیں کہ نبی ﷺ کون تھے تو وہ دوسروں کو کیا بتائیں گے؟ تو ہیں اس لیے ہوتی ہے کیونکہ ہم اپنی جا بٹھیک سے نہیں کر رہے ہیں۔ ہمیں دنیا کو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بتانا تھا، ان کے قصے سنانے تھے۔ بنیادی طور پر

وقتیم کے لوگ تو ہیں کرتے ہیں۔ ایک وہ جو عالم ہیں اور ایک وہ جو شرائیز ہیں اور جان کے ایسا کرتے ہیں۔ لیکن جس دن ہم اپنی جاپ کرنا شروع کریں گے، اندھیرے میں دیے جلانے لگیں گے، تو اعلم لوگ ہمارے رسول اللہ ﷺ سے واقف ہوں گے اور وہ خود ہر شرائیز کے خلاف ہماری ڈھال بن جائیں گے۔ سزا نہیں لازمی دیں، مگر میری قوم کو خود بھی اس فتنے کو کم کرنے کے لیے تو اتنی خرچ کرنی پڑے گی۔

میں جس ملائیشیا کا خواب دیکھتا ہوں تا، وہاں تمیں مالے قوم کو میڈیا کے ڈنی شکنچے سے نکال کر اپنی سوچ کو آزاد کرنا سکھانا ہو گا۔“

”آپ خوابوں پر یقین رکھتے ہیں وان فاتح؟“ مسز شیلا قدرے نر و سی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔ ”مطلوب ہرے خوابوں پر جیسے میری دوست نے میرے بارے میں خواب دیکھا۔“ تالیہ نے بے اختیار دل کو تھام لیا۔

تنگو کامل نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنی بیوی کو ٹوکا۔ (یہ مناسب موقع نہیں ہے۔) مگر وہ فاتح رامزل کے آنے کی خوشی اور اپنی پریشانی میں گھری کہتی گئیں۔

”اس نے دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں چاول ہیں جو ایک دم را کھن جاتے ہیں۔ آپ دوسری قسم کے خواب دیکھتے ہیں مگر ایسے خوابوں کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟“ تالیہ کے گردن کے بال تک کھڑے ہو گئے۔ کان مزید دروازے سے لگائے۔

ڈرائیگر روم میں خاموشی چھائی۔ پھر فاتح نے گھری سانس لے کر کندھے اچکائے۔ خوابوں میں ہر چیز عالمتی ہوتی ہے۔ اس کا وہ مطلب نہیں ہوتا جو نظر آتا ہے۔ کیا آپ کے ہاں بچے کی پیدائش متوقع ہے تنگو شیلا؟“

میز بان میاں بیوی سن رہ گئے۔ ایک دوسرے کو دیکھا پھر فاتح کو۔ ”جب مگر ہمیں خود چند دن پہلے معلوم ہوا ہے تو آپ کو کیسے.....؟“

”چاول Fertility کی عالمت ہوتے ہیں۔ ایسا خواب اس لئے آسکتا ہے تاکہ آپ اختیار کریں یا پھر کسی متوقع حادثے کے لئے تیار رہیں۔“ اس کی بات میں ایسی تھنڈک تھی کہ مسز کامل کی ریڑھ کی بڑی میں تھنڈی اہر دوڑ گئی۔ دروازے سے لگی تالیہ بھی شل کھڑی رہ گئی۔ فاتح کی بیوی نے بے اختیار تا دبی نظروں سے اسے گھورا تھا جیسے کہہ رہی ہو کہ اسے ایسی بات اتنے عام انداز میں نہیں کہنی چاہئے مگر وہ کسی بھی جذباتی پن سے عاری تھنڈا پر سکون سا بیٹھا تھا۔ عصرہ رامزل پہلی دفعہ بولی۔

”کاش ہمیں بھی آریانا کو کھونے سے پہلے کوئی خواب آ جاتا تو ہم اس روز چیز لفٹ پہنچاتے۔“ اس کے لمحے میں تلخی تھی۔

(آریانا؟ اچھا۔ ان کی بیٹی جو کئی سال پہلے کو گئی تھی۔) تالیہ کو ان کے انڑویوں میں کئی دفعہ کی دھراں تھیں۔ اس نے اندھر جھانکا۔ فاتح رامزل کا چہرہ سامنے نظر آ رہا تھا۔ اس پر کوئی تارہ نہیں ابھرا تھا۔ وہی تھنڈا مسکراتا، وجہہ چہرہ... مگر وہ اعتراف سر ہلاکے بولا تھا۔

”ہاں.... وہ بڑا تھنڈن وقت تھا۔ خیر۔“ اس نے کندھے اچکا کے گھری سانس لی۔

بٹلر نے اس کے سر کی پشت پر چپت لگائی تو وہ چوکی۔ ”تمہارا کچن میں کام پڑا ہے۔ اندراجا۔“ اس نے حکم صادر کیا تو وہ منہ بنانے کے آگے بڑا گئی۔ کام کیا خاک کرنے تھے وہ کچن کے دروازے میں کھڑی ہو گئی۔ چند منٹ گزرے اور آوازیں آنے لگیں۔ وہ وہی جمی رہی۔ وہ لوگ اب راہداری میں آچکے تھے اور باہر جا رہے تھے، مگر کسی وجہ سے ٹھہر گئے تھے۔ تالیہ نے سر نکال کے دیکھا تو برف کا بست بن گئی۔

علی بن کامل اپنے مہمان کو تھنہ پیش کر رہا تھا۔ اور وہ تھنہ... تالیہ کی سانس اٹکنے لگی۔... وہ وہی شیخشے کا باکس تھا جس میں شہری سکر کھا تھا۔ فاتح نے سکرا کے بیچ سے باکس لیا۔ علی کامل اب اس سے مسلک کہانی سن رہا تھا مگر فاتح رامزل نے باکس کھولا، اور سکر زکال کے اوپر اٹھا کے دیکھا۔ دونوں اطراف پلٹا گئیں۔

”ویسے یا اور بھنل نہیں ہے۔ اور بھنل میں ایک طرف نصیر مدنیا وال دین لکھا ہوتا ہے۔ مگر آئی لائیک ایٹ۔“ چالی سے تھرہ کیا تو میز بان ایک دمہر مندہ ہو گئے مگر وہ آدمی اتنا بے پرواہ اتنا بے نیاز تھا کہ اسے ان کے تاثرات سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ (اور اس کی بات کو کوئی برائی نہیں مانتا تھا۔ نہ مان سکتا تھا۔ وہ مالے قوم کو بہت محبوب تھا۔) ایک ہی فقرے میں اس نے ایمانداری سے پسندیدگی کا اظہار بھی کر دیا۔ پھر ذرا اٹھرا۔ ”عصرہ یہ تمہارے بریسلیٹ کی طرح نہیں لگتا جو تمہیں ایش نے دیا تھا؟ ہے نا۔“ سکرا کے کہتے ہوئے اس نے باکس پیچھے کھڑے اپنے باڑی میں کی طرف بڑھا دیا اور آگے بڑھ گیا۔ سب اس کے آگے پیچھے چلتے باہر نکل گئے۔ وہ تیز تیز چلتا تھا، اور ہر شخص اس کے قدم سے قدم ملانے کا خواہ شمند تھا۔

باڑی میں نے سکے کی ڈبیہ جیب میں ڈالتے ہوئے باہر نکلنے سے قبل ایک دفعہ مڑ کے یونہی پیچھے دیکھا تھا۔ نگاہ چوکھت پر ہکا بکا کھڑی اڑکی پر پڑی تو وہ لمحے بھر کو ٹھہرا۔... اس کی بزرگ نکھوں کو دیکھا جو اس کے ڈبیہ جیب میں ڈالتے ہا تھوں کو دیکھ رہی تھیں۔... بس لمحے بھر کا اثر تھا۔... پھر وہ آگے بڑھ گیا۔

اور وہ نہ حال سی چوکھت سے گلی کھڑی رہ گئی۔

☆☆=====☆☆

”سمبلز۔“ گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے بیگ ایک طرف پھینکا اور جوتے اتار کے دوسری طرف اچھا لے۔ داتن جو لیپ ٹاپ اور کاغذ پھیلائے صوفے پہنچی تھی، اسے آتے دیکھ کے تیزی سے اٹھی۔ ایک فکر مند نظر اس کے بے رنگ پر یثان چہرے پر ڈالی۔

”تم نے راستے سے فون کر کے اتنی تیزی سے سب بتایا کہ مجھے وہ سمجھنے میں آدھا گھنٹہ لگ گیا۔ تم پر یثان نہ ہوتا یہ۔ اب دونوں چیزیں ایک ہی شخص کے پاس ہیں۔ اور.....“

”سمبلو۔ اس نے کہا خواب میں ہمیشہ سمبلو آتے ہیں۔ علامتیں۔“ وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑے صوفے پر گرگئی۔ چند لمبے لمبے سانس لئے پھر نظریں اٹھا کے الجھی کھڑی داتن کو دیکھا۔

”میں نے دیکھا ہم دو دریاؤں کے سکم پر کھڑے ہیں جہاں کچھر ہے۔ کچھر لیعنی ”لپور“ اور دریاؤں کا سکم لیعنی ”کوالا“۔ ہم ”کوالا لپور“ میں ملتے ہیں۔ کوالا لپور..... کے ایل..... ہمارا شہر.....“ وہ تیز تیز بولتی جا رہی تھی۔ ”آج ہم ملے مگر ملاقات نہیں ہوئی۔ شاید اس خواب کے پورا ہونے کا ابھی وقت نہیں آیا۔ لیکن میں نے یہ بھی دیکھا تھا داتن کہ اس کے سر پر ایک پرندہ چکر کاٹ رہا ہے۔ شہری ٹانگوں والا سرخ پرندہ جس کی آنکھیں ایسی نیلی تھیں گویا Blue saphires ہوں.....“

”Eyes as blue as saphires“ داتن نے چونکے زیرِ لب دھرایا۔

”ایک ہی پرندہ ہے جو ایسا ہوتا ہے داتن۔ جو صرف خوابوں اور کتابوں میں ہوتا ہے۔ ہما۔ Pheonix“ وہ جوش سے بولی تھی۔ رنگت ابھی تک اڑی ہوئی تھی مگر چہرے پے سکون واپس آ رہا تھا۔

”فاتح رامزل کے سر پر ہما۔ ہما جو علامت ہے خوش بختی، دوبارہ جنم لینے۔ دوسری زندگی اور۔۔۔“

”اور حکومت کی۔ داتن۔ طاقت اور حکومت کی۔ فاتح رامزل ہمارا اگلا پر دھانہ منتری (وزیر اعظم) بننے جا رہا ہے اور وہ یہ بات نہیں جانتا۔“

”اوہ خدا یا۔۔۔ فاتح رامزل۔۔۔ نیکست مالے پر دھانہ منتری۔۔۔ واؤ۔۔۔“ داتن نے خوشی سے اس کا ہاتھ دبایا تھا۔ لیکن پھر وہ ٹھنک کے رکی۔ ”مگر اس کا مطلب ہے کہ ہمیں۔۔۔“

”اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اگلی چوری اپنے مستقبل کے وزیر اعظم کے گھر کرنی ہے۔“ ایک عزم سے کہتی وہ اٹھی اور داتن کی آنکھوں میں دیکھا۔ ”مجھے اپنی چاپی فاتح رامزل سے واپس لینی ہے۔ کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟“

☆☆=====☆☆ (باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)